جاوید احمد غامدی

ایصال ثواب

اللہ تعالیٰ نے یہ بات قرآن مجید میں بطور اصول واضح کر دی ہے کہ ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ کسی شخص کے فعل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ڈالی جا سکتی اور نہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے اوپر لے سکتا ہے۔ اِسی طرح یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ قیامت میں جس شخص کو جو کچھ بھی ملے گا، اُس کے عمل کے صلے میں ملے گا۔ ایک شخص کے عمل کا صلہ دوسرا نہیں پا سکتا۔ سعی و عمل کے بغیر وہاں کسی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی، ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی. (النجم ۵۳: ۳۸-۴۱)

”یہ کہ کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کو (آخرت میں) وہی ملے گا جو اُس نے (دنیا میں) کمایا ہے اور جو کچھ اُس نے کمایا ہے، وہ عنقریب دیکھا جائے گا، پھر اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

اِس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ انسان کے عمل کی صورت نہیں ہے جو خدا کے ہاں پہنچتی اور اُسے اجر کا مستحق بناتی ہے، بلکہ دل کا تقویٰ ہے جو باعث اجر ہوتا ہے۔ یہ تقویٰ، ظاہر ہے کہ کوئی قابل انتقال چیز نہیں ہے۔ اِس کی جگہ انسان کا دل ہے۔ اِسے وہاں سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی دوسرا شخص بھی اِس کے ثمرات میں سے کچھ حصہ پا سکے۔ قربانی ایک عظیم عبادت ہے۔ اُس میں ہم اپنا اور اپنے جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے اُس کو اِس

احساس کے ساتھ اپنے پروردگار کی نذر کر دیتے ہیں کہ یہ درحقیقت ہم اپنے آپ کو اُس کی نذر کر رہے ہیں۔ اُس کے بارے میں فرمایا ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا، وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ. (الحج ۲۲: ۳۷)

''اللہ کو (تمھاری) اِن (قربانیوں) کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ اُس کو صرف تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

قرآن کے یہ دونوں مقامات پیش نظر ہوں تو دوسروں کی نیکی یا بدی سے آدمی کو خدا کے ہاں کسی فائدے یا نقصان کے پہنچنے کی ایک ہی شکل باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اُس کی نیت، ارادے اور سعی و جہد کو بالواسطہ یا بلاواسطہ اُس نیکی یا بدی میں دخل ہو۔ اِس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہ اُس نے کسی کو خیر و صلاح کی تعلیم دی ہو یا اپنے عملی نمونے سے نیکی کے کسی کام کی مثال قائم کی ہو یا اُس کے لیے اسباب و وسائل فراہم کرنے میں اُس کا کوئی حصہ رہا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر فرمایا ہے:

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة: الا من صدقة جارية، او علم ينتفع به، او ولد صالح يدعوله. (مسلم، رقم ۴۲۳۲)

''انسان مرجاتا ہے تو اُس کا عمل بھی اُس کے ساتھ ہی منقطع ہو جاتا ہے۔ تین چیزیں، البتہ مستثنیٰ ہیں: ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، تیسرے صالح اولاد جو والدین کے لیے دعا کرتی رہے۔''

اِن میں اولاد کے ذکر پر کسی کو تعجب نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سراسر والدین کی سعی ہے، اِس لیے کہ والدین اگر سچے مومن ہیں تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے تمام اعمال خیر کی تعلیم سب سے پہلے وہی اولاد کو دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اگر نیکی کے کسی کام سے معذور ہو جائیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں کہ اُن کے کسی ارادۂ خیر کو اولاد پایۂ تکمیل تک پہنچا دے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے پہنچانا چاہیے، اِس لیے کہ یہی سعادت مندی کا تقاضا ہے۔ نیت اور ارادے کے ساتھ اِس سے اُنھیں تعمیل کا اجر بھی مل جائے گا۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ قبیلۂ خثعم کی ایک عورت نے پوچھا: یا رسول اللہ، میرے باپ پر حج فرض ہے، مگر وہ اتنا بوڑھا ہے کہ سواری پر ٹھیر بھی نہیں سکتا، کیا میں اُس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: کر سکتی ہو*۔ اِسی طرح جہینہ کی

* بخاری، رقم ۱۸۵۵۔ مسلم، رقم ۳۲۵۱۔

ایک عورت نے حضور سے پوچھا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، اب وہ دنیا سے رخصت ہوگئی ہے، کیا میں اُس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ضرور کرو، کیا اُس پر قرض ہوتا تو تم ادا کرتیں؟ یہ اللہ کا قرض ہے، اِسے بھی ادا کرو، اِس لیے کہ اللہ اِس کا زیادہ حق دار ہے کہ اُس کا قرض ادا کیا جائے۔*

انسان کی زندگی میں یہی حیثیت والدین کے علاوہ کسی دوسرے شخص، مثلاً کسی استاذ یا کسی بزرگ کی بھی ہو سکتی ہے۔ اُس کا حکم بھی، ظاہر ہے کہ یہی ہونا چاہیے۔ اِس مضمون کی تمام روایتیں اِسی ضابطے پر محمول ہیں۔ اِس کے بغیر اگر کسی کے لیے کوئی عمل کیا جاتا ہے تو اُس کا اجر پھر اُسی کے لیے ہے جس نے وہ عمل کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے اپنا بچہ آپ کی طرف اٹھایا اور پوچھا: کیا یہ بھی حج کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، لیکن اِس کا اجر تمھارے لیے ہے۔** نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جس کے لیے نیکی کی گئی ہے، اُس کو اجر ملنے کا امکان نہ بھی ہو تو نیکی کے کام میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اُس کا اجر نیکی کرنے والے کو ہر حال میں مل جائے گا۔ تاہم اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُن تقریبات کے لیے بھی اِس سے کوئی جواز پیدا کیا جا سکتا ہے جو ایصال ثواب کے نام پر اِس وقت مسلمانوں میں رائج ہو چکی ہیں۔ اِس طرح کی تقریبات یقیناً بدعت ہیں۔ قرآن وحدیث میں اِن کے لیے کوئی بنیاد تلاش نہیں کی جا سکتی۔

اِس معاملے میں یہ بات، البتہ ملحوظ رہنی چاہیے کہ 'لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی' میں نفی کا اسلوب نفی استحقاق کے لیے ہے اور یہ ضابطہ اُسی موقع سے متعلق ہے، جب لوگوں کے لیے جنت اور جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اپنے ایمان وعمل سے جنت کا استحقاق پیدا کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے افضال وعنایات سے اِس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن میں صراحت ہے کہ اولاد اگر اپنے ایمان کی بنیاد پر کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے میں بھی جنت کی مستحق ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ اُس کے والدین پر اتمام نعمت کے لیے اُسے وہی درجہ عطا فرما دیں گے جو اُس کے والدین کا ہے اور دونوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دیں گے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَمَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ. (الطّور ۵۲: ۲۱)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کی اولاد بھی کسی درجۂ ایمان میں اُن کے نقش قدم پر چلی ہے، اُن کی اِس اولاد کو بھی ہم (اُنھی کے درجے میں) اُن کے

* بخاری، رقم ۱۸۵۲۔

** مسلم، رقم ۳۲۵۳۔

ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں کوئی کمی نہ کریں گے۔''

اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہی معاملہ اُس صورت میں بھی ہونا چاہیے، جب والدین کسی نیچے کے درجے میں ہوں گے، اِس لیے کہ والدین اور اولاد کا جو تعلق خاطر اولاد کو والدین کے درجے تک اٹھانے کا باعث بن رہا ہے، وہی تعلق خاطر اِس دوسری صورت میں بھی موجود ہے۔

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاعراف

(۷)

(گذشتہ سے پیوستہ)

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذۡنَآ اَہۡلَہَا بِالۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّہُمۡ یَضَّرَّعُوۡنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الۡحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ

ہم نے جس بستی میں بھی کسی نبی کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اُس کے لوگوں کو مالی اور جسمانی مصیبتوں[۴۴۳] سے آزمایا ہے تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں[۴۴۴]۔ پھر اُن کے دکھ کو ہم نے سکھ میں بدل دیا، یہاں تک کہ وہ

۴۴۳؎ اصل میں 'بَاْسَآء' اور 'ضَرَّآء' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ جب ایک دوسرے کے ساتھ آتے ہیں تو پہلے سے مالی اور دوسرے سے جسمانی آفتیں مراد ہوتی ہیں۔

۴۴۴؎ یہ اُس سنت الٰہی کا بیان ہے جو رسولوں کی بعثت کے ساتھ لازماً ظاہر ہوتی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...وہ سنت یہ ہے کہ جب نبی توبہ و استغفار اور جزا و سزا کی منادی شروع کرتا ہے تو اُس کے محرکات و مویدات اِس کائنات میں بھی ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں۔ ایک طرف پیغمبر لوگوں کو غفلت و خدا فراموشی کے انجام، فساد فی الارض کے نتائج اور دنیا اور آخرت میں خدا کی پکڑ سے ڈراتا ہے، دوسری طرف اللہ تعالیٰ لوگوں کو سیلاب، قحط، وبا، طوفان کی آزمایشوں میں بھی مبتلا کرتا ہے تاکہ لوگ آنکھوں سے بھی، اگر اُن کے پاس دیدۂ عبرت نگاہ ہو، دیکھیں کہ اِس طرح اللہ جب چاہے اور جہاں سے چاہے، اُن کو پکڑ سکتا ہے اور پھر خدا کے سوا کوئی اُن کو بچانے والا نہیں بن سکتا۔

اٰبَآءَ نَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْاَنَّ اَھْلَ
الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا

خوب پھولے پھلے اور کہنے لگے کہ اچھے اور برے دن تو ہمارے باپ دادوں پر بھی آتے رہے ہیں۔ بالآخر ہم نے اُنھیں اچانک پکڑ لیا اور اُنھیں خبر تک نہ ہوئی۔[۴۴۵] (حقیقت یہ ہے کہ) اگر اِن بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اُن پر ہم زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول

اِس طرح گویا دعوت کے ساتھ واقعات کی تائید اور عقل و فطرت کی شہادت کے ساتھ مشاہدے کی اثر انگیزی بھی جمع ہو جاتی ہے۔ نبی جو کچھ کہتا ہے، آسمان و زمین، دونوں مل کر اپنے اسٹیج پر گویا اُس کے مناظر دکھا بھی دیتے ہیں تاکہ جن کے اندر اثر پذیری کی کچھ بھی رمق ہو، وہ خدا کے آگے جھکیں اور توبہ و اصلاح کریں۔''

(تدبر قرآن ۳/۳۱۷)

۴۴۵؎ یہ اُسی سنت کا ایک دوسرا پہلو ہے۔ اوپر جن آزمایشوں کا ذکر ہوا ہے، جب لوگ اُن سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور خدا کی طرف متوجہ ہونے کے بجاے دل و دماغ کو بند کر لیتے ہیں تو اللہ اُنھیں ڈھیل دیتا ہے تاکہ جو لوگ تنبیہات سے نہیں جاگے، وہ رفاہیت کی لوری سے اور گہری نیند سو جائیں اور خدا کا عذاب اُن کو ایسی حالت میں پکڑے کہ اُنھیں خبر تک نہ ہو کہ یہ آفت کب اور کہاں سے نازل ہوئی ہے۔ اِس کی صورت کیا ہوتی ہے؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...بدحالی کی جگہ خوش حالی آ جاتی ہے، دنیوی اسباب و وسائل کے ہر گوشے میں ترقی و فراخی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، آزمایشوں اور تکلیفوں کے دن ذہنوں سے نکل جاتے ہیں، پھر سرکش لوگ چہکنا اور نبی اور اُس کے ساتھیوں کا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ عقل کے کوتاہ لوگ، پچھلے قحط یا گذشتہ سیلاب یا فلاں آفت کو ہمارے اعمال و عقائد کی خرابی پر خدا کی تنبیہ سمجھتے تھے اور اپنے وعظوں میں طرح طرح سے ہم کو ڈراتے اور پست ہمت کرتے رہے، حالاں کہ اِن باتوں کو ایمان و اخلاق سے کیا تعلق؟ اِس قسم کی گردشیں قوموں کی زندگی میں آیا ہی کرتی ہیں۔ ایسے دن، کچھ ہمارے ہی اوپر تو نہیں گزرے ہیں، ہمارے باپ دادوں پر بھی گزرے ہیں جو بڑے اچھے اور نیک نہاد لوگ تھے۔ یہ تو زمانے کے اتفاقات ہیں۔ کبھی تنگی ہے، کبھی فراخی؛ کبھی فصل اچھی ہوئی، کبھی ماری گئی؛ کبھی سیلاب آ گیا، کبھی قحط پڑ گیا۔ اِن چیزوں کو اعمال و اخلاق سے باندھ دینا محض خرد باختگی اور وہمی پن ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۳۱۸)

فَاَخَذْنٰھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّھُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَھْلُ
الْقُرٰٓی اَنْ یَّاْتِیَھُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّھُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَاللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ
مَکْرَاللّٰہِ اِلَّاالْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ یَھْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ
اَھْلِھَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

دیتے[۴۴۶]، مگر اُنھوں نے جھٹلا دیا تو اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں ہم نے اُن کو پکڑ لیا۔ ۹۴-۹۶

پھر (بتاؤ کہ) اِن بستیوں کے لوگ کیا اِس سے بے خوف رہ سکے کہ اُن پر ہمارا عذاب رات میں آ جائے، جب وہ سوتے پڑے ہوں؟ یا اِس سے بے خوف رہ سکے کہ ہمارا عذاب اُن پر دن دہاڑے آ جائے، جب وہ کھیل میں لگے ہوں[۴۴۷]؟ پھر کیا وہ خدا کی تدبیر[۴۴۸] سے بے خوف رہ سکے؟ سو (یاد رکھو کہ) خدا کی تدبیر سے وہی بے خوف رہتے ہیں جو نامراد ہونے والے ہوں۔ کیا اِس چیز نے اُن لوگوں کو

۴۴۶؎ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کو جھٹلا دیا جائے تو اِس کا لازمی نتیجہ جس طرح عذاب کی صورت میں نکلتا ہے، اُسی طرح اُن کی دعوت قبول کر لی جائے تو اِس کے نتیجے میں زمین و آسمان کی برکتیں اور فیروزمندیاں بھی لازماً حاصل ہوتی ہیں۔ یہ خدا کی سنت ہے اور خدا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک اِسی طریقے سے جاری رہی ہے۔ یہ اِس کا آخری ظہور تھا جس سے یہ حقیقت پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہو گئی ہے کہ آخرت کا عذاب و ثواب بھی ایک دن اِسی طرح واقع ہو جائے گا۔

۴۴۷؎ یعنی رات اور دن میں جس وقت بھی آیا، وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکے تو یہی آفت تم پر ٹوٹ پڑی تو تم کیا کرو گے؟

۴۴۸؎ اصل میں لفظ 'مَکْر' آیا ہے۔ اِس کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...خفیہ تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہاں سے پکڑتا ہے، جہاں سے کسی کو پکڑے جانے کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اوپر تنبیہ کے بعد ڈھیل کی جو سنت بیان ہوئی، وہ اِس خفیہ تدبیر الٰہی کی ایک مثال ہے۔ قوم تو سمجھتی ہے کہ اب اُس نے پالا مار لیا، لیکن درحقیقت وہیں اُس کی ہلاکت کا کھڈ ہوتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۳۲۰)

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾
وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

کوئی سبق نہیں دیا جو زمین کے اگلے رہنے والوں کے بعد اُس کے وارث بنتے ہیں کہ اگر ہم چاہتے تو اُن کے گناہوں کی پاداش میں اُن کو بھی آ پکڑتے؟[۴۴۹] (نہیں، وہ کبھی سبق نہیں لیتے) اور (اِس کے نتیجے میں) ہم اُن کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔[۴۵۰] یہ بستیاں ہیں جن کی سرگذشتوں کا کچھ حصہ ہم تمھیں سنا رہے ہیں۔ اِن کے رسول اِن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، مگر ایسا نہیں ہوا کہ یہ ایمان لاتے، اِس لیے کہ پہلے جھٹلاتے رہے تھے۔ اللہ منکروں کے دلوں پر اِسی طرح مہر لگا دیتا ہے۔[۴۵۱] (حقیقت یہ ہے کہ) اِن میں سے اکثر میں ہم نے کسی عہد[۴۵۲] کا پاس نہیں دیکھا، بلکہ اکثر کو عہد توڑنے والا[۴۵۳] ہی پایا ہے۔ ۹۷-۱۰۲

۴۴۹؎ اشارہ اگرچہ قریش کی طرف ہے، لیکن عام اسلوب میں فرمایا ہے کہ بعد میں آنے والوں نے اگلوں کے انجام سے سبق کیوں نہیں لیا اور کیوں نہیں سوچا کہ خدا نے جس طرح اُن کو پکڑا تھا، وہ اُن کے وارثوں کو بھی جب چاہے، اُسی طرح پکڑ سکتا ہے۔

۴۵۰؎ اِس لیے کہ اُن کے اِس جرم کی پاداش میں اُن کے دل پر مہر لگ چکی ہوتی ہے کہ اگلوں کی تاریخ سے اُنھوں نے کوئی سبق نہیں لیا اور اُسی راہ پر گام زن رہے جو خدا سے پھرے ہوئے لوگوں نے ہمیشہ اختیار کی ہے۔ یہ مہر عذاب الٰہی کا مقدمہ ہوتی ہے۔ اِس کے بعد انسان اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے الجھاؤ میں الجھتا ہی چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ آیات الٰہی کو بچشم سر دیکھ لینے کے بعد بھی اُس کے دل کا دروازہ قبول حق کے لیے نہیں کھلتا اور وہ پیغمبر کی بات کو بھی سننے سے انکار کر دیتا ہے۔

۴۵۱؎ یہ مزید وضاحت فرمائی ہے کہ دلوں پر مہر کب لگتی ہے اور کس طرح کے لوگوں کے دلوں پر لگتی ہے؟ فرمایا کہ اُن کے دلوں پر لگتی ہے جو پہلے سے خدا کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلاتے رہے تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی عام آیات سے روگردانی کا عادی ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اُس کا

دل ایسا پتھر ہو جاتا ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے خاص نشانیاں بھی ظاہر ہوتی ہیں تو وہ بھی اُس پر کارگر نہیں ہوتیں۔ فرمایا کہ یہ طریقہ ہے ہمارے ہاں دلوں پر مہر لگانے کا۔ دل کا کام عبرت پذیری، تفکر اور تعقل ہے۔ اگر کوئی گروہ اِس طرح اپنی خواہشوں کا اندھا بہرا مرید بن جاتا ہے کہ تذکیر و تنبیہ کے بعد بھی وہ دل کی آنکھیں نہیں کھولتا تو ایسے لوگوں کے دل بالآخر بالکل چپاٹ ہو کے رہ جاتے ہیں۔ یہ ملحوظ رہے کہ 'بِمَا کَذَّبُوْا' یہاں 'یُؤْمِنُوْا' کا مفعول نہیں ہے، بلکہ 'ب' بیان سبب کے لیے ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/۳۲۱)

۴۵۲؎ اِس سے وہ عہد مراد ہیں جو اُن بستیوں کے لوگوں نے، جن کا ذکر ہوا ہے، اپنے پیغمبروں سے باندھے کہ فلاں شرط پوری کر دی جائے تو مان لیں گے اور فلاں معجزہ دکھا دیا جائے تو ایمان لے آئیں گے۔ آگے آیات ۱۳۴-۱۳۵ میں یہی مضمون حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرگذشت میں بھی بیان ہوا ہے۔ سورۂ انعام (۶) کی آیات ۱۰۹-۱۱۰ میں قرآن نے اِس کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ اِس طرح کے عہد باندھ لینے کے بعد وہ بار بار توڑتے رہے اور کسی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

۴۵۳؎ اصل میں لفظ 'فَاسِق' آیا ہے۔ اِس کے معنی نافرمان کے ہیں، لیکن موقع کلام سے واضح ہے کہ یہاں نافرمانی سے عہد شکنی مراد ہے۔

[باقی]

محمد رفیع مفتی

اذکار وادعیہ مسنونہ

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۹۸)

عَنْ عَلِيٍّ الْأَزْدِيِّ ... أَنَّ ابْنَ عُمَرَ عَلَّمَهُمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهِ خَارِجًا إِلٰى سَفَرٍ كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، أَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ، أَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ، أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ ــــ وَإِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ ــــ آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (مسلم، رقم ۳۲۷۵)

حضرت علی ازدی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے انھیں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر کے لیے نکلتے ہوئے اپنے اونٹ پر اچھی طرح بیٹھ جاتے تو تین دفعہ تکبیر کہتے اور پھر یہ کہتے:

پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے تابع فرمان بنا دیا ہے، ورنہ ہم اِس پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ، ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتے ہیں اور ایسے عمل کی توفیق مانگتے ہیں جو تجھے راضی کر دے۔ اے اللہ، تو ہمارے اس سفر کو ہم پر سہل کر دے اور اس کی درازی سمیٹ دے۔ اے اللہ، تو سفر میں ساتھی ہے اور پیچھے اہل وعیال میں رکھوالا ہے۔ اے اللہ، میں اس سفر کی مشقت سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ کوئی برا منظر میرے سامنے آئے اور اس سے بھی کہ جب میں اپنے اہل وعیال اور اموال میں لوٹوں تو کوئی خرابی میری منتظر ہو۔

پھر جب آپ سفر سے واپس آتے تو انھی الفاظ کے ساتھ مزید ان کلمات کا اضافہ کرتے:

ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب ہی کی حمد کرنے والے ہیں۔

(۹۹)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرَةَ أَنَّهُ قَالَ لِأَبِيْهِ: يَا أَبَتِ إِنِّيْ أَسْمَعُكَ تَدْعُوْ كُلَّ غَدَاةٍ: أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ، أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ، أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، تُعِيْدُهَا ثَلَاثًا حِيْنَ تُصْبِحُ وَثَلَاثًا حِيْنَ تُمْسِيْ، فَقَالَ: إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ بِهِنَّ فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَسْتَنَّ بِسُنَّتِهِ، قَالَ عَبَّاسٌ فِيْهِ: وَتَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، أَللّٰهُمَّ

إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، تُعِيْدُهَا ثَلَاثًا حِيْنَ تُصْبِحُ وَثَلَاثًا حِيْنَ تُمْسِیْ فَتَدْعُوْ بِهِنَّ فَأُحِبُّ أَنْ أَسْتَنَّ بِسُنَّتِهِ، قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعَوَاتُ الْمَكْرُوْبِ: أَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِیْ إِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ. (ابوداؤد، رقم ۵۰۹۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اے ابا جان، میں آپ کو ہر روز یہ دعا کرتے ہوئے سنتا ہوں: 'أَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ، أَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ، أَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ' (اے اللہ، مجھے میرے بدن میں عافیت دے، اے اللہ میری سماعت میں عافیت دے، اے اللہ میری بصارت میں عافیت دے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے)، آپ ان کلمات کو صبح و شام تین تین دفعہ پڑھتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے؟)، انھوں نے یہ بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھی کلمات کے ساتھ دعا کرتے ہوئے سنا ہے اور مجھے یہ پسند ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اپناؤں۔

عباس راوی کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ (عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کے) یہ الفاظ بھی تھے: 'وَتَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ، أَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ' (آپ کہتے ہیں: اے اللہ، میں کفر اور محتاجی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ، میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے)۔

آپ ان کلمات کو صبح و شام تین تین دفعہ پڑھتے اور ان کے ساتھ دعا کرتے ہیں (تو انھوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلمات پڑھتے ہوئے سنا ہے، چنانچہ) میں پسند کرتا ہوں کہ آپ کے طریقے کو اپناؤں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصیبت زدہ آدمی کی دعا یہ ہے:

’أَللّٰهُمَّ رَحمَتَكَ أَرجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلٰى نَفسِي طَرفَةَ عَينٍ وَأَصلِح لِي شَأنِي كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنتَ‘ (اے اللہ، میں تجھ سے تیری رحمت کا امیدوار ہوں، تو مجھے ایک لمحے کے لیے میرے نفس کے حوالے نہ کر اور میرے تمام کاموں کو سنوار دے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں)۔

(۱۰۰)

عَن عَمرِو بنِ أَبِي عَمرٍو قَالَ: سَمِعتُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الهَمِّ وَالحَزَنِ وَالعَجزِ وَالكَسَلِ وَالجُبنِ وَالبُخلِ وَضَلَعِ الدَّينِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ. (بخاری، رقم ۶۳۶۹)

حضرت عمرو بن ابی عمرو (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ، میں تیری پناہ مانگتا ہوں، فکر سے، غم سے، عاجزی، سستی، بزدلی، بخل، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبے سے۔

(۱۰۱)

عَن عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الكَسَلِ وَالهَرَمِ وَالمَغرَمِ وَالمَأثَمِ، أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِن عَذَابِ النَّارِ وَفِتنَةِ النَّارِ وَفِتنَةِ القَبرِ وَعَذَابِ القَبرِ وَشَرِّ فِتنَةِ الغِنٰى وَشَرِّ فِتنَةِ الفَقرِ وَمِن شَرِّ فِتنَةِ المَسِيحِ الدَّجَّالِ، أَللّٰهُمَّ اغسِل خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلجِ وَالبَرَدِ وَنَقِّ قَلبِي مِنَ الخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوبُ الأَبيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِد بَينِي وَبَينَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدتَّ بَينَ المَشرِقِ وَالمَغرِبِ. (بخاری، رقم ۶۳۷۵)

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے

اللہ، میں سستی سے، بڑھاپے سے، تاوان اور گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ، میں پناہ مانگتا ہوں، آگ کے عذاب سے، آگ کی آزمایش سے، قبر کی آزمایش سے، قبر کے عذاب سے، دولت کی آزمایش کے شر سے، فقر کی آزمایش کے شر سے اور مسیح دجال کی آزمایش کے شر سے۔ اے اللہ، تو میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو گناہوں سے پاک کر دے، جس طرح سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے، اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان میں ایسی دوری پیدا کر دے، جیسی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں پیدا کر رکھی ہے۔

(۱۰۲)

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: لَا أَقُوْلُ لَكُمْ إِلَّا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ، كَانَ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، أَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا، أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا.

(مسلم، رقم ۶۹۰۶)

روایت ہے کہ حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں سے کہا کہ میں تمھیں وہی دعا سکھاتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ، میں عاجزی، سستی، بزدلی، بخل، بڑھاپے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ، مجھے متقی اور پاکیزہ نفس بنا دے، یقیناً تو ہی بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا آقا اور مولیٰ ہے۔ اے اللہ، میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور

ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

(۱۰۳)

عَنْ أَبِیْ مُوْسَی الْأَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہُ کَانَ یَدْعُوْ بِھٰذَا الدُّعَاءِ: أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَإِسْرَافِیْ فِیْ أَمْرِیْ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ، أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمْدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ، أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

(مسلم، رقم ۶۹۰۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ، تو میری خطا اور نادانی اور معاملات میں میری زیادتی کو معاف فرما دے اور ان سب چیزوں کو بھی جنھیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ، میں نے جو کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہے اور جو کچھ ہنسی مذاق میں کیا ہے اور جو دانستہ کیا ہے اور جو کچھ نادانستہ کیا ہے، سب معاف فرما دے، یہ سب میری ہی طرف سے ہے۔ اے اللہ، تو بخش دے جو کچھ میں نے آگے بھیجا ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑا ہے، اور جو کچھ چھپایا اور جو کچھ علانیہ کیا ہے، اور وہ بھی جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(۱۰۴)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہُ کَانَ یَقُوْلُ: أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی وَالْعِفَّۃَ. (مسلم، رقم ۶۹۰۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اے اللہ، میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی، استغنا اور نفس کی پاکیزگی کا سوال کرتا ہوں۔

(۱۰۵)

عَنْ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَسْلَمَ عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ. (مسلم، رقم ۶۸۵۰)

حضرت طارق بن اشیم اشجعی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی مسلمان ہوا کرتا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے نماز سکھایا کرتے اور آپ اسے فرماتے کہ ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرو: اے اللہ، تو مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت دے، عافیت دے اور رزق عطا فرما۔

(۱۰۶)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: أَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (بخاری، رقم ۴۵۲۲)

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

(۱۰۷)

سَأَلَ قَتَادَةُ أَنَسًا: أَيُّ دَعْوَةٍ كَانَ يَدْعُوْ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَكْثَرَ؟ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دَعْوَةٍ يَدْعُو بِهَا يَقُولُ: أَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، قَالَ: وَكَانَ أَنَسٌ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّدْعُوَ بِدَعْوَةٍ دَعَا بِهَا فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّدْعُوَ بِدُعَاءٍ دَعَا بِهَا فِيهِ. (مسلم، رقم ۶۸۴۰)

حضرت قتادہ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات کون سی دعا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ آپ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے:

’اے اللہ، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔‘

خود انس رضی اللہ عنہ بھی جب دعا کرتے تھے تو یہی دعا کیا کرتے تھے اور اگر انھیں کوئی اور دعا کرنا ہوتی تو آپ اس کے اندر یہ دعا بھی کر لیا کرتے تھے۔

(۱۰۸)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَأَوْجَزَ فِيهَا فَقَالَ لَهُ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَقَدْ خَفَّفْتَ أَوْ أَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ: أَمَّا عَلٰى ذٰلِكَ فَقَدْ دَعَوْتُ فِيهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ هُوَ أُبَيٌّ غَيْرَ أَنَّهُ كَنٰى عَنْ نَفْسِهِ فَسَأَلَهُ عَنِ الدُّعَاءِ ثُمَّ جَاءَ فَأَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ: أَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِي، أَللّٰهُمَّ وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ

وَأَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَأَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِيْنَ. (نسائی، رقم۱۳۰۶)

حضرت عطاء بن سائب (رضی اللہ عنہ) اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) نے ہمیں ایک نماز پڑھائی اور اس میں اختصار سے کام لیا، بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے ہلکی یا مختصر نماز پڑھائی ہے، انھوں نے کہا: اس کے باوجود میں نے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہوئی کئی دعائیں پڑھی ہیں۔

پھر جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو لوگوں میں سے ایک آدمی ان کے پیچھے پیچھے گیا، (عطا راوی کہتے ہیں کہ یہ میرے والد سائب ہی تھے، لیکن انھوں نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اپنا نام نہیں لیا) اور ان سے وہ دعا پوچھی اور پھر آ کر لوگوں کو بتائی۔ وہ دعا یہ تھی: اے اللہ، تو اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے وسیلے سے مجھے اس وقت تک زندگی دے جب تک تو جینے کو میرے لیے بہتر جانے؛ اور اس وقت دنیا سے لے جا، جب تو لے جانے کو بہتر جانے۔ اے اللہ، اور میں کھلے اور چھپے میں تیری خشیت مانگتا ہوں؛ اور خوشی اور رنج میں سچی بات کی توفیق چاہتا ہوں؛ اور فقر وغنا میں میانہ روی کی درخواست کرتا ہوں؛ اور ایسی نعمت چاہتا ہوں جو تمام نہ ہو اور آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور تیرے فیصلوں پر راضی رہنے کا حوصلہ مانگتا ہوں اور موت کے بعد زندگی کی راحت مانگتا ہوں؛ اور تجھ سے ملاقات کا شوق اور تیرے دیدار کی لذت مانگتا ہوں، اس طرح کہ نہ تکلیف دینے والی سختی میں رہوں اور نہ گمراہ کر دینے والے فتنوں میں۔ اے اللہ، تو ہمیں ایمان کی زینت عطا فرما اور ایسا بنا دے کہ خود بھی ہدایت پر رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت دیں۔

محمد وسیم اختر مفتی

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد اسلامی کیلنڈر شروع ہونے سے ۳۲ برس قبل (۵۹۲ء) میں قریش کے ذیلی قبیلے بنو مخزوم کے سردار ولید کے گھر پیدا ہوئے۔ قریش کی عسکری قیادت اسی قبیلے کے پاس تھی۔ حضرت خالد کے والد الوحید (یکتا) اور العدل (انصاف پسند) کے القاب سے مشہور تھے۔ ان کے دادا کا نام مغیرہ تھا۔ ام المومنین میمونہ بنت حارث کی بہن لبابہ بنت حارث ان کی والدہ تھیں۔ ساتویں پشت (مرہ بن کعب) پر ان کا سلسلۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر سے جا ملتا ہے۔ قریش کے رواج کے مطابق نومولود خالد کو بھی ایک صحرائی قبیلے میں بھیج دیا گیا جہاں ایک بدو دایہ نے ان کی پرورش کی۔ چھ سال کی عمر میں وہ مکہ واپس آئے۔ بچپن میں انھیں چیچک ہوا جس کے مستقل نشانات ان کے بائیں گال پر موجود رہے۔ سیدنا خالد کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ انھیں سیف اللہ کا لقب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں خالد کا شمار قریش کے اشراف میں ہوتا تھا۔ وہ اپنے زمانے میں کشتی کے چیمپین اور بہترین گھڑ سوار تھے۔ انھوں نے تلوار زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی میں مہارت حاصل کر رکھی تھی۔ برچھا ان کا پسندیدہ ہتھیار تھا۔ سیدنا خالد قریش کی جنگوں کے لیے وسائل فراہم کرتے، ایک بڑا خیمہ (القبہ) نصب کیا جاتا جس میں تمام فوجی ساز و سامان اور آلات حرب جمع کیے جاتے۔ جنگ شروع ہوتی تو خالد گھڑ سواروں (الاعنہ) کی قیادت کرتے۔ سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا عمر بن خطاب چچا زاد تھے۔ ان کی شکلوں اور قد کاٹھ میں مماثلت پائی جاتی تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا منصب عطا ہوا تو خالد کے والد نے ان کی سخت مخالفت کی۔ اسلام کے

ابتدائی زمانے میں خالد کی کسی اسلام دشمن سرگرمی کا ذکر نہیں ملتا۔ انھوں نے جنگ بدر میں بھی حصہ نہ لیا البتہ ان کے بھائی ولید بن ولید مشرکین کی طرف سے لڑے اور مسلمانوں کی قید میں آئے۔ تب خالد اور ان کے تیسرے بھائی ہاشم ولید کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لیے مدینہ گئے۔ تینوں مکہ لوٹ رہے تھے کہ ولید مدینہ واپس چلے گئے اور اسلام قبول کر لیا۔

جنگ احد میں خالد بن ولید نے اہم رول ادا کیا۔ وہ مشرکین کے دو سو گھڑ سواروں پر مشتمل اس دستے کے میمنہ کے قائد تھے جس کا علم طلحہ بن عثمان نے اٹھا رکھا تھا۔ اس کے میسرہ کی کمان عکرمہ بن ابوجہل کے پاس تھی۔ مسلمانوں کے پاس ایک گھوڑا بھی نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی میں تھے کہ پہاڑی درے پر مامور دستے نے آپ کی واضح ہدایت کے باوجود اس اہم فوجی مقام کو چھوڑ دیا۔ خالد نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پہاڑی پر چڑھ کر لشکر اسلام پر عقب سے حملہ کر دیا جس سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدلتی دکھائی دینے لگی۔ جنگ خندق (۵ھ، ۶۲۷ء) اہل اسلام کے خلاف خالد کی آخری جنگ تھی، اس میں بھی انھوں نے کفار کے گھڑ سواروں (cavalry) کی قیادت کی۔

۸ھ میں عسفان کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مشرکین کے ایک جتھے سے مڈ بھیڑ ہوئی جس کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے۔ یہ دستہ قبلہ کی طرف ہونے کی وجہ سے نماز میں حائل تھا۔ آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو مشرکوں نے حالت نماز میں آپ پر حملہ کرنے کا مشورہ کیا۔ کچھ نے کہا، اس وقت ایسا لگ رہا ہے کہ مسلمانوں کو نماز اپنے بچوں اور اپنے آپ سے بھی زیادہ پیاری ہے۔ اسی موقع پر صلوٰۃ خوف کا حکم (نسا:۱۰۲) نازل ہوا۔ اگلی نماز کا وقت آیا تو آپ نے صحابہ کو اسلحہ پکڑے رکھنے کا حکم دیا، دو صفیں بنائی گئیں جنھوں نے اکٹھے رکوع کیا۔ رکوع کے بعد اگلی صف سجدے میں چلی گئی جب کہ پچھلی صف نے کھڑے رہ کر پہرہ دیا۔ اس کے بعد پہلی صف پیچھے ہٹ کر پہرے پر آ گئی اور دوسری صف نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔

۶ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے قصد سے مکہ روانہ ہوئے تو قریش نے ذوطویٰ کے مقام پر جمع ہو کر عہد کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید اہل ایمان کو روکنے کے لیے گھوڑ سوار دستہ لے کر عسفان سے بھی آگے کراع غمیم کی وادی تک پہنچ گئے تھے۔

صفر ۸ھ (۶۲۸ء) میں عمرو بن عاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ اکٹھے مشرف باسلام ہوئے۔ خالد نے اپنے ایمان لانے کا قصہ یوں بیان کیا ہے، میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہونے والی تمام جنگوں میں حصہ

لیا۔ ہر بار احساس ہوتا کہ میں غلطی پر ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی غالب آئیں گے۔ آپ نے حدیبیہ کا سفر کیا تو میں مکہ سے مشرکین کا گھڑ سوار دستہ لے کر نکلا۔ عسفان کے مقام پر ہمارا آمنا سامنا ہوا۔ ہمارے سامنے آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس دوران میں ہم نے حملہ کرنا چاہا لیکن ہمت نہ ہوئی۔ عصر کے وقت آپ نے نماز خوف پڑھائی، ہم اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے اور واپس چلے آئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد میں سوچنے لگا، کون سا مذہب اختیار کروں؟ نجاشی کے پاس جاؤں جس نے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیا ہے؟ نصرانی بنوں یا یہودی؟ کیا ہرقل کے پاس چلا جاؤں؟ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضا ادا کرنے مکہ تشریف لائے۔ میرا بھائی ولید بن ولید آپ کے ساتھ تھا۔ اس نے مجھے ڈھونڈا، میں نہ ملا تو اس نے خط لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارے بارے میں دریافت فرمایا ہے۔ میں نے کہا، اللہ اسے آپ کے پاس لے آئے گا۔ آپ نے فرمایا، اس جیسا شخص بھی اسلام سے جاہل ہے؟ بھائی کا خط ملنے پر میری اسلام سے رغبت بڑھ گئی۔ یہ جان کر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں پوچھا ہے، بڑی مسرت ہوئی۔ اب میں نے مدینہ جانے کا عزم کر لیا، مجھے کسی ساتھی کی تلاش تھی جو میرے ساتھ چلے۔ صفوان بن امیہ سے بات کی تو اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ عکرمہ بن ابوجہل بھی آمادہ نہ ہوئے تاہم، جب ابوسفیان نے خالد کو ڈرایا دھمکایا تو عکرمہ نے اسے روکا اور کہا، اگر تم نے زور زبردستی کی تو میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا۔ اب میں گھر گیا اور سواری لے کر نکلا۔ عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی، وہ میرے ہم سفر بننے پر تیار ہو گئے۔ ہم نے طے کیا کہ اگلی صبح پو پھٹنے سے پہلے یاجج کے مقام پر ملیں گے۔ وہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا، ہدہ پہنچے تو عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا، کہاں کا رخ ہے؟ ہم نے بتایا، اسلام قبول کرنے جا رہے ہیں تو انھوں نے کہا، میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ چنانچہ ہم تینوں اکٹھے روانہ ہوئے، شہر مدینہ میں داخل ہوئے تو عصر کی نماز کا وقت تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو وہ بہت مسرور ہوئے۔ خالد کہتے ہیں، میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور ہاتھ بڑھا کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، فرمایا، مجھے امید تھی کہ تمھاری دانش تمھیں خیر تک لے آئے گی۔ وہاں موجود صحابہ بھی بہت خوش تھے۔ میں نے اسلام کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیوں کی معافی کے لیے دعا کی درخواست کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسلام گزشتہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! پھر بھی دعا کر دیجیے۔ آپ نے دعا فرمائی، ''اے اللہ! خالد کا ہر گناہ بخش دے جو اس نے تیری راہ سے روکنے کے لیے کیا۔'' عثمان اور عمرو بھی آگے بڑھے اور بیعت ایمان کی۔ ابن عاص کہتے ہیں، تب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حربی

معاملات میں کسی کو بھی میرے اور خالد کے برابر نہیں سمجھا۔ابوبکر وعمر کے عہد ہائے خلافت میں بھی ہمارا یہی مرتبہ رہا۔دوسری روایت کے مطابق خالد ۵ ھ میں غزوۂ بنوقریظہ کے بعد مسلمان ہوئے۔اس حساب سے ان کا صلح حدیبیہ (٦ ھ) اور جنگ خیبر (۷ ھ) میں جیش نبوی کے سواروں کی قیادت کرنا درست معلوم ہوتا ہے۔

قبول اسلام کے بعد خالد مدینہ منتقل ہو گئے۔ان کی آمد کے تین ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے غسانی حکمران کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے ایک وفد روانہ فرمایا۔یہ موتہ سے گزر رہا تھا کہ وہاں کے حاکم شرحبیل بن عمرو نے روک کر اس کے تمام ارکان کو شہید کر دیا۔آپ نے شہدا کا بدلہ لینے کے لیے فوراً زید بن حارثہ کی سربراہی میں ایک دستہ روانہ کیا جس میں خالد بھی شامل تھے۔قبول اسلام کے بعد یہ ان کا پہلا معرکہ تھا۔اس جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تینوں کمانڈر،آپ کے آزاد کردہ زید بن حارثہ،آپ کے چچا زاد جعفر بن ابوطالب ذوالجناحین اور عبداللہ بن رواحہ باری باری شہید ہو گئے تو جیش اسلامی پر امیر نہ رہا۔تب خالد بن ولید نے فوراً ازخود کمان سنبھال لی۔انھوں نے علم تھام کر دشمن پر حملہ کر دیا اور فتح حاصل کی۔خالد کہتے ہیں،موتہ کے دن میرے ہاتھ میں ۹ تلواریں ٹوٹیں،آخر میں ایک چوڑی یمنی تلوار ہی رہ گئی۔اس موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں موجود تھے،آپ منبر پر تشریف لائے۔شہدا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا،علم زید نے تھاما اور شہید ہو گئے پھر جعفر نے پکڑا اور شہادت پائی۔اس کے بعد یہ ابن رواحہ کے ہاتھ آیا،انھوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ فرمایا،آخر کار علم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد) نے پکڑا اور اللہ نے انھیں فتح دی۔دوسری روایت کے الفاظ ہیں ''خالد ایک تلوار ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں پر مسلط کر دیا ہے۔'' خالد کے ہاتھ کمان آئی تو انھوں نے لشکر کی ہیئت بدل دی،مقدمہ کو ساقہ کی جگہ،ساقہ کو مقدمہ کی جگہ اور میمنہ کو میسرہ کی جگہ کر دیا۔اگلے دن تین ہزار کفار روم پر مشتمل لشکر کو مسلمانوں کے ہاتھ وہ پہلے پرچم دکھائی نہ دیے اور فوج کی ترتیب بھی بدلی بدلی نظر آئی تو سمجھے کہ اسلامی فوج میں نئی کمک آ گئی ہے۔اصل میں یہ وہ چھوٹے چھوٹے دستے تھے جو خالد نے رات کے اندھیرے میں پیچھے بھیج دیے تھے اور انھیں صبح کے وقت ایک ایک کر کے جنگ میں شامل ہونے کی ہدایت کی تھی۔دشمن کا مورال گر گیا تو خالد نے اگلا پورا دن دفاع کمزور نہ ہونے دیا،رات ہوئی تو وہ اپنی فوج کو بحفاظت نکال لائے۔رومی فوج نے خالد کی واپسی کو بھی ایک چال سمجھا اور پیچھا نہ کیا۔

عوف بن مالک اشجعی نے زید بن حارثہ اور یمن کے ایک مددگار کے ساتھ غزوۂ موتہ میں شرکت کی۔مددگار نے ایک رومی جرنیل کو قتل کر کے اس کا گھوڑا اور سونا جڑے ہوئے ہتھیاروں اور زین پر قبضہ کر لیا۔جنگ ختم ہوئی تو خالد

بن ولید نے یہ مال غنیمت اس سے واپس لے لیا۔عوف نے ان سے کہا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں قتل ہونے والے کافر کے مال و متاع (سلب) کا فیصلہ اس کے قاتل کے حق میں کر رکھا ہے؟ خالد نے کہا، درست ہے لیکن یہ مال بیش قیمت ہے۔عوف نے کہا، اس کا مال واپس کر دیں ورنہ میں یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لاؤں گا۔خالد پھر بھی نہ مانے تو قضیہ آپ کے حضور پیش ہوا۔آپ نے حکم دیا، خالد! اس سے لیا ہوا مال واپس کر دو۔عوف سے تفصیل سن کر آپ کو سخت غصہ آیا، ارشاد فرمایا، تم چاہتے ہو، کمانڈروں کو عمدہ مال غنیمت دے دیا جائے اور سپاہیوں کو ردی مال پر ٹرخا دیا جائے۔

فتح مکہ کے روز خالد ایک چوتھائی اسلامی فوج، میمنہ کے قائد تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ اپنا دستہ لے کر کدا کی طرف سے بالائی مکہ میں داخل ہوں۔وہ زیریں مکہ (کدی، لیط) سے آئے۔اس موقع پر صفوان، عکرمہ اور سہیل مکہ کے خندمہ نامی پہاڑ پر جمع تھے۔ان کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکیں۔ خالد کے دستے سے ان کی مڈھ بھیڑ ہوئی۔خالد نے بنوبکر کے ۲۰ اور ہذیل کے ۴ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر قریش کی گھڑ سوار فوج تباہ کر دی۔ان کے دستے میں شامل حبیش بن اشعر، کرز بن جابر اور سلمہ بن میلا شہید ہوئے۔آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو قتل و غارت سے منع فرما دیا، اسی دوران میں وہ مزید ستر مشرکوں کو جہنم واصل کر چکے تھے۔دوسرا دستہ جو زبیر کی سربراہی میں مکہ میں داخل ہوا تھا، کسی تصادم سے محفوظ رہا۔

فتح مکہ کے پانچویں روز (۲۵ رمضان کو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو مشرکوں کا بڑا بت عزیٰ منہدم کرنے کے لیے بھیجا۔اسے مکہ اور طائف کے درمیان واقع کھجور کے ایک بڑے درخت پر جسے قریش، کنانہ اور مضر بڑا مقدس سمجھتے تھے مسند نشین کیا گیا تھا۔دوسری روایت کے مطابق یہ ببول کے تین درختوں پر معلق گھر میں پڑا تھا۔بنوسلیم سے تعلق رکھنے والے عزیٰ کے متولی نے خالد کی آمد کی خبر سنی تو تلوار عزیٰ کے گلے میں لٹکا دی اور دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔خالد آئے، کلہاڑے سے عزیٰ کا ناک توڑا، اسے گرا دیا، بت خانہ توڑا اور اس میں موجود مال و دولت اٹھا لیا۔انھوں نے یہ شعر بھی پڑھا،

يا عز كفرانك لا سبحانك   انى رأيت الله قد اهانك

(اے عزیٰ! تمھارا انکار ہے، تو لائق تسبیح نہیں، میں نے دیکھا ہے کہ اللہ نے تمھیں رسوا کر دیا ہے)

خالد نے لوٹ کر نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا، یہ عزیٰ تھا، اب کبھی اس کی پوجا نہ ہوگی۔۹ھ میں بنوثقیف کا وفد مدینہ آیا اور آپ سے اسلام کی تعلیمات حاصل کیں۔انھوں نے اپنے

بت لات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، اسے توڑ ڈالو۔ کہنے لگے، یہ کام ہم سے نہ ہوگا، آپ ہی اس کی ذمہ داری لیں چنانچہ آپ نے خالد بن ولید کی سربراہی میں ایک جماعت ان کی طرف بھیجی۔ مغیرہ بن شعبہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے لات کو ریزہ ریزہ کیا۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلۂ بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ آپ کا مقصد جنگ کے بجائے اسلام کا پیغام پہنچانا تھا۔ سلیم بن منصور اور مدلج بن مرہ کے قبائل ان کے ساتھ تھے۔ بنوجزیمہ کے لوگوں نے مسلمانوں کو آتا دیکھ کر ہتھیار اٹھا لیے۔ خالد نے کہا، لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، اب اسلحہ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ایک شخص جحدم نے کہا، یہ خالد ہے، ہتھیار پھینکنے کے بعد قید کر لیتا ہے اور پھر گردن اڑا دیتا ہے۔ قبیلے کے باقی لوگوں نے اس سے اتفاق نہ کیا اور ہتھیار ڈال دیے۔ اس کے بعد خالد نے واقعی قتل و غارت شروع کر دی اور مارنے کے علاوہ کئی لوگوں کی مشکیں کس کر قید کر لیا۔ اگلی صبح انھوں نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا، میں اور میرے ساتھی اپنے قیدیوں کو قتل نہ کریں گے۔ پھر یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا معاملہ بتایا۔ آپ نے دریافت فرمایا، کیا کسی نے ان کو منع بھی کیا؟ لوگوں نے بتایا، ہاں! ایک شخص نے روکا تو خالد نے اسے ڈانٹ پلا کر بٹھا دیا اور دوسرے کے ساتھ سخت بحث کی۔ یہ عبداللہ بن عمر اور ابو حذیفہ کے آزاد کردہ سالم تھے۔ آپ نے ہاتھ بلند کر کے دوبار اظہار برآت کیا۔ ''اے اللہ! میں خالد کی کارروائی سے بری الذمہ ہوں۔ یہ بھی روایت میں ہے کہ خالد نے بنوجزیمہ کو اسلام کی دعوت دی تو ان کے منہ سے اسلمنا (ہم مسلمان ہوئے) کے بجائے صبأنا (ہم ستارہ پرست ہوئے) نکل گیا۔ عبدالرحمان بن عوف نے خالد کو ملامت کی کہ تم نے مسلمان ہو کر جاہلیت کا کام کیا ہے۔ خالد نے کہا، میں نے تمہارے باپ عوف کے قتل کا بدلہ لیا ہے۔ عبدالرحمان نے کہا، تو غلط کہتا ہے، تم نے تو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا بدلہ لیا ہے۔ یہ دونوں دور جاہلیت میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن سے واپس آ رہے تھے کہ بنوجزیمہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ عمر نے خالد کو برا بھلا کہا تو انھوں نے پوچھا، تمھیں کس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہوئے تھے؟ جواب دیا، تمام اہل لشکر نے۔ آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلا کر فرمایا، جا کر ان کا معاملہ دیکھو اور جاہلی رسوم پامال کر دو۔ آپ نے ان کو مال بھی دیا جس سے انھوں نے مقتولین کی دیتیں ادا کیں۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق خالد نے بتایا کہ عبداللہ بن حذافہ نے انھیں قتال کا مشورہ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کے بعد بھی خالد کو معزول نہ فرمایا۔ خالد نے طائف کے محاصرے میں بھی حصہ لیا۔

جنگ حنین میں خالد سو شہ سواروں پر مشتمل جیش اسلامی کے مقدمۃ الجیش کے قائد تھے۔ وہ شدید زخمی ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے ان کی خبر لینے گئے۔

۹ھ میں خالد نے غزوۂ تبوک میں شرکت کی، واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو ۴۰۰ سے زائد گھڑ سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل کے نصرانی سردار اکیدر کی طرف بھیجا۔ خالد نے عیسائی شہزادے کو یرغمال بنا لیا تو قلعے کا دروازہ کھلا اور اکیدر اور اس کا بھائی گھوڑوں پر سوار ہو کر باہر نکلے۔ اس کا بھائی جیش نبوی کے ہاتھوں مارا گیا تو خالد نے اس کی سونے کے پتروں سے مزین ریشمی قبا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج دی۔ پھر وہ اکیدر کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دومہ کے ۸۰۰ قیدی، ۱۰۰۰ (یا دو ہزار) اونٹ، آٹھ سو بھیڑیں، ۴۰۰ زرہیں اور ۴۰۰ نیزے ان کے ساتھ تھے۔ آپ نے جزیہ لینے کی شرط پر اس سے صلح کر لی۔ ایک ماہ بعد آپ نے خالد کو ود بت تباہ کرنے کے لیے دوبارہ دومۃ الجندل بھیجا۔

۱۰ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو اہل نجران کی طرف بھیجا اور ہدایت فرمائی، تین بار اسلام کی دعوت دینا۔ وہ پھر بھی نہ مانے تو ان سے قتال کرنا۔ خالد نے اپنے ساتھیوں کو نجران کے تمام اطراف میں پھیلا دیا جو لوگوں سے کہتے، مسلمان ہو جاؤ، سلامتی پاؤ گے۔ الحمد للہ ان کی دعوت کو قبول عام ملا۔ خالد نے نو مسلموں کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے آگاہ کیا اور ایک خط لکھ کر آپ کو حالات کی خبر دی۔ آپ نے جواب میں انھیں واپس آنے کو کہا۔ خالد کے ساتھ نجران میں مقیم بنو حارث کا ایک وفد بھی مدینے آیا۔ آنحضور صلی علیہ وسلم نے قیس بن حصین کو ان کا امیر مقرر کیا۔

۱۰ھ ہی میں حجۃ الوداع سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خالد کو بھیجا۔ وہ ۶ ماہ وہاں مقیم رہے لیکن کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر آپ نے حضرت علی کو بھیجا اور خالد کو لوٹ آنے کو کہا۔ خالد کے ساتھیوں کو آپ نے یمن میں رہنے یا واپس آنے کا اختیار دے دیا۔ سیدنا علی کے آنے پر قبیلۂ ہمدان اجتماعی طور پر ایمان لے آیا۔ سیدنا علی نے یمن سے سونے کی ایک ڈلی مدینہ بھیجی تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید الخیل اور عامر بن طفیل (یا علقمہ بن علاثہ) میں بانٹ دیا۔ ایک صحابی نے کہا، میں ان سے زیادہ حق دار تھا۔ آپ نے فرمایا، مجھ پر بھروسا رکھو، میں امانت دار ہوں۔ ایک منافق بول اٹھا، یا رسول اللہ! اللہ سے ڈریے۔ فرمایا، مجھ سے زیادہ کون اللہ سے ڈرے گا۔ خالد بن ولید پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا، یا رسول اللہ! میں اس کی گردن نہ اڑا دوں۔ آپ نے جواب دیا، شاید یہ نماز پڑھتا ہو۔ خالد نے کہا، بہت سے نمازی زبان سے وہ کچھ

کہتے ہیں جوان کے دل میں نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا، مجھے یہ حکم نہیں ملا کہ لوگوں کے دل کریدوں اور ان کے پیٹ شق کروں۔

حجۃ الوداع میں خالد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے حلق کرایا تو خالد نے آپ کے سر مبارک کے چند بال حاصل کیے۔ عمر بھر انھوں نے ان کو اپنے ساتھ رکھا۔

بعثت نبوی سے پہلے یمن حبشہ (Ethiopia) کے تسلط میں تھا۔ اس کا حاکم ابرہہ خانہ کعبہ پر چڑھائی کی پاداش میں عذاب الٰہی کا شکار ہوا تو سیف بن یزن حمیری نے ایرانیوں کی مدد سے اپنا ملک آزاد کرا لیا تب سے وہاں ایک ایرانی گورنر مقرر رہتا۔ ۷ھ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران کے کسریٰ پرویز کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خط لکھا تو اس نے پڑھنے سے پہلے ہی پھاڑ دیا اور یمن میں اپنے گورنر باذام (بادام) کو مدینہ کے حالات کی خبر دینے کا حکم دیا لیکن جب آپ کی پیش گوئی کے مطابق خسرو پرویز اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ یمن اسلامی حکومت کی عمل داری میں آ گیا تو آپ نے باذام کو وہاں کا گورنر رہنے دیا۔ اس کی وفات کے بعد آپ نے یمن کی حکومت شہر بن باذام اور اپنے متعدد صحابہ میں بانٹ دی۔ آپ کے حکم سے خالد بن ولید بھی وہاں گئے لیکن جلد واپس آ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر نے فرمان نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے سب سے پہلے جیش اسامہ کو روانہ کیا پھر گیارہ کمانڈروں کی سربراہی میں تمام اطراف میں اپنی فوجیں بھیجیں۔ خالد بن ولید کو پرچم دے کر بنو اسد کے طلیحہ بن خویلد کی طرف بھیجا جس نے دعوئ نبوت کر کے غطفان، فزارہ، عبس اور ذبیان قبائل کو ساتھ ملا لیا تھا۔ بنو طے کے کچھ افراد نے اس کی حمایت کی جب کہ باقی اسلام پر قائم رہے۔ عدی بن حاتم طائی زکوٰۃ ادا کر مدینہ سے لوٹے تو اپنے قبیلے کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ لوگ مان گئے تو انھوں نے خالد بن ولید سے تین دن کی مہلت لے کر طلیحہ کے لشکر میں موجود اپنے پانچ سو آدمیوں کو واپس بلا لیا۔ خدا کی قدرت کہ طلیحہ کو شبہ تک نہ ہوا اور یہ آدمی جیش اسلامی کے سپاہی بن گئے۔ خالد کا ارادہ انسر جا کر قبیلہ جدیلہ سے جنگ کرنے کا تھا۔ عدی نے کہا، اگر طے قبیلہ پرندہ ہوتا تو جدیلہ اس کا پر بنتا۔ مجھے جدیلہ جانے دیں، اللہ اس قبیلے کو بھی ارتداد سے بچا لے گا۔ ایسا ہی ہو، جدیلہ کے ایک ہزار سوار مرتدین کے جتھے سے ٹوٹ کر مسلم فوج میں شامل ہو گئے۔ خالد نے اجا اور سلمیٰ پہاڑیوں کے دامن میں رک کر اپنی فوج کی ترتیب کو درست کیا۔ بزاخہ کے مقام پر ان کا طلیحہ سے مقابلہ ہوا۔ بنو فزارہ کے عیینہ بن حصن نے سپہ سالاری سنبھالی، سات سو فزاری

اس کے ساتھ تھے۔ اس دوران میں طلیحہ کمبل اوڑھے وحی کا انتظار کرتا رہا۔ عیینہ جنگ سے تنگ آ گیا تو طلیحہ سے پوچھا، کیا جبرئیل آ گئے؟ اس نے کہا، نہیں۔ وہ پھر جنگ میں مصروف ہوا۔ تیسری بار طلیحہ نے ایک مہمل وحی سنا دی، ادھر اسلامی فوج کا دباؤ بڑھ چکا تھا۔ عیینہ نے اپنی قوم کو پکارا، بنوفزارہ! طلیحہ کذاب ہے، بھاگ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ طلیحہ نے ایک گھوڑے اور اپنی بیوی نوار کے لیے اونٹ کا انتظام کیا ہوا تھا، فوج سے یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا، تم بھی اپنی اور اہل وعیال کی جانیں بچاؤ۔ اس نے شام جا کر بنوکلب میں سکونت اختیار کر لی، اس کے اکثر حلقہ بگوش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی اسلام لے آیا، عہد فاروقی میں اسے دوبارہ بیعت کا موقع ملا۔ خالد نے عیینہ اور طلیحہ کے دوسرے حلیف قرہ بن ہبیرہ کو گرفتار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ انھوں نے حضرت ابوبکر کے سامنے توبہ کی اور بعد میں اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

خالد نے بزاخہ میں ایک ماہ قیام کیا۔ اس دوران میں بنوغطفان کے شکست خوردہ ایک عورت ام زمل (سلمٰی بنت حذیفہ) کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ اس نے خالد سے جنگ کی تیاری شروع کر دی، بنوسلیم، بنوطے، بنوہوازن اور بنواسد کے قبائل بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ خالد کو علم ہوا تو انھوں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور اسے ہزیمت سے دو چار کیا۔ انھوں نے بنوسلیم کے مردوں کو اونٹوں کے باڑوں میں اکٹھا کر کے آگ لگا دی تو سیدنا عمر نے اعتراض کیا اور سیدنا ابوبکر سے کہا، کیا آپ ایسے شخص کو کھلا چھوڑ دیں گے جو اللہ والی سزائیں خود ہی دینے لگا ہے۔ انھوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم! میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈالوں گا جو اللہ نے اپنے دشمن پر سونتی ہے۔

مالک بن نویرہ بنوتمیم کی شاخ بنویربوع کا سردار تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے ابوبکر کی خلافت کو ماننے اور انھیں زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنے قبیلے کی مدعیۂ نبوت سجاح بنت حارث کے ساتھ مل گیا جو ایک ذہین کاہنہ تھی۔ اسے لوگوں کو اپنے پیچھے لگانا آتا تھا اسی لیے اس یقین کے ساتھ دعویٰ نبوت کیا کہ تمام تمیمی اس پر ایمان لے آئیں گے۔ ایرانی عمال اس کی پشت پر تھے، ان کی منصوبہ بندی کے مطابق یہ عرب میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھنے تک مقیم رہی اور مقصد پورا ہونے کے بعد عراق چلی گئی۔ وکیع نے بھی سجاح کا ساتھ دیا، ان تینوں نے اپنے ہی قبیلے بنوتمیم کے دوسرے سرداروں پر حملہ کر دیا۔ جلد ہی مالک اور وکیع کو محسوس ہو کہ انھوں نے اس عورت کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کی ہے۔ سجاح تمیم سے نامراد پلٹی، مدینہ کو جاتے ہوئے نباج میں اوس بن خزیمہ سے شکست کھائی تو یمامہ آن پہنچی۔ یہاں کے نبی مسیلمہ کو اپنی نبوت کی فکر پڑ گئی تو اس نے دونوں نبوتوں کو جمع کرنے کے لیے سجاح کو دام میں پھنسایا اور اس سے شادی کر لی۔ ادھر مالک بن نویرہ اکیلا رہ گیا کیونکہ اس کا دست راست وکیع

مسلمان ہو کر زکوٰۃ ادا کر چکا تھا۔ خالد بن ولید بنو اسد و غطفان کی سرکوبی سے فارغ ہوئے تو بنو تمیم کا رخ کیا، بنو اسد اور بنو تمیم کے درمیان واقع مقام بطاح پر انھوں نے پڑاؤ ڈالا۔ انصار پہلے تو بزاخہ میں رہ گئے، ان کا خیال تھا کہ خلیفۂ اول کے احکام پر عمل ہو چکا ہے۔ خالد نے اصرار کیا کہ وہ کمانڈر ہیں اور نئی صورت حال میں از خود فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں تو وہ ان کے ساتھ آن ملے۔ بنو تمیم نے اطاعت قبول کی تاہم مالک روپوش ہو گیا۔ خالد کا بھیجا ہوا ایک دستہ اسے گرفتار کر لایا۔ اس نے اسلام کی طرف رجوع کیا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کی لیکن زکوٰۃ دینے سے پس و پیش کیا چنانچہ خالد نے اس کو قتل کرا دیا۔ خالد کا مالک کو قتل کرانا بہت نزاع کا باعث بنا۔ ابوقتادہ انصاری مالک کو گرفتار کرنے والے دستے میں شامل تھے۔ وہ کہتے ہیں، اس نے زکوٰۃ کا اقرار بھی کیا تھا تاہم دوسرے راوی اس اقرار کا انکار کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قتل غلط فہمی میں ہوا۔ اس رات سخت سردی تھی، خالد کے منادی نے اعلان کیا، اپنے اسیروں کو گرم کرنے کا بندوبست کرو۔ لوگوں نے سمجھا، انھیں ٹھکانے لگانے کا حکم آیا ہے۔ مالک کو ضرار بن ازور نے قتل کیا۔ جب خالدؓ نے اسلامی احکام اور مروج جاہلی رسوم دونوں کے علی الرغم مالک کی بیوہ ام تمیم بنت منہال (یا لیلیٰ) سے اس کی عدت گزرنے سے پہلے ہی شادی کر لی تو ان پر الزام لگا کہ انھوں نے اس خوبرو عورت سے شادی کی خاطر اس کے شوہر کو مروایا۔ ابوقتادہ تو اس قدر ناراض ہوئے کہ قسم کھا کر مدینہ لوٹ گئے کہ آئندہ کبھی خالد کے جھنڈے تلے نہ لڑیں گے۔ انھوں نے ابوبکر کو یہ واقعہ سنایا تو انھوں نے توجہ نہ دی پھر وہ عمر کے پاس گئے، عمر نے ابوبکر کو مشورہ دیا، اس الزام کی بنا پر خالد کو معزول کر دیا جائے۔ ان کو گوارا نہ ہوا کہ ایک لغزش کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ قائد کو معزول کر دیں۔ انھوں نے پہلے والا جواب ہی دیا، ''میں اس تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہو۔'' خالد مدینہ پہنچ کر ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعے کی تفاصیل ان کے گوش گزار کیں۔ ابوبکر نے مالک کے قتل کے متعلق ان کی معذرت قبول کی لیکن اس کی بیوی سے شادی پر ناراضی کا اظہار کیا اور اسے طلاق دینے کا حکم دیا۔

(باقی)

پروفیسر خورشید عالم

عہد رسالت میں خواتین کا سیاسی کردار

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

(۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

''اے قریش کے قبیلے والو، اپنے آپ کو اللہ سے خرید لو۔ میں اللہ کے مقابلے میں تمھارے لیے کافی نہیں ہوسکتا۔ اے عبدالمطلب کی اولاد، میں اللہ کے سامنے تمھاری کفایت نہیں کرسکتا۔ اے عباس بن عبدالمطلب، میں اللہ کے سامنے تمھاری کفایت نہیں کرسکتا۔ اے اللہ کے رسول کی پھوپھی صفیہ، میں اللہ کے مقابلے میں تمھارے لیے نفع مند نہیں ہوسکتا۔ اے اللہ کے رسول کی بیٹی فاطمہ، میں اللہ کے مقابلے میں تمھارے لیے سود مند نہیں ہوسکتا۔ مجھ سے جو چاہتی ہو مانگ لو۔'' (رقم ۲۰۶)

اپنی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنی پھوپھیوں میں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر چھوٹوں کی یہ ذمہ داری ہے تو بڑوں کی ذمہ داری ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں میں سے مردوں اور عورتوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا۔

اعلانیہ دعوت کی یہ پہلی آواز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام کیا مرد اور کیا

عورت، ساری نوع انسانیت کے لیے ہے اور اپنے عقیدے کے بارے میں ہر مرد اور ہر عورت اللہ کے سامنے ذاتی طور پر جواب دہ ہے، اور یہ مرد کی اس تبعیت اور تقلید کے خلاف ایک بغاوت ہے جس میں عورت صدیوں سے اسلام سے پہلے زندگی گزار رہی تھی اور مقام تعجب ہے کہ ابھی تک اس کو اس تابع داری کا پابند سمجھا جا رہا ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر اسلام کی حیات اجتماعی میں مرد اور عورت کے ایمانی تعلقات قائم ہیں۔ اصول یہ ہے کہ مومن مرد اور عورت اپنے اعمال کے ذریعے سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اس ربط میں جنس اور ذات کا کوئی دخل نہیں۔

عقیدے کی راہ میں ظلم وستم کا سامنا

قریش مکہ عورتوں کو بھی مردوں کے ساتھ اس قدر ہول ناک اذیت دیتے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ عذاب بے سہارا عورتوں اور لونڈیوں کے لیے شدید تر تھا۔ عورتوں نے مردوں کے شانہ بشانہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے عذاب برداشت کیا۔ تپتی ہوئی دوپہر میں بنومخزوم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کو مکے کی تیز حرارت میں لٹا کر ظلم کرتے تھے۔ ان کے پاس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو آپ فرماتے: اے یاسر کے گھر والو، صبر کرو تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔ حضرت عمار نے ظلم سے گھبرا کر ظالموں کی بات مان لی اور پھر نبی پاک کے پاس حاضر ہو کر معذرت کی تو اس آیت کا نزول ہوا:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ.

’’جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے، مگر وہ نہیں جو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔‘‘ (النحل ۱۶:۱۰۶)

حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ ایک باہمت خاتون تھیں۔ انھوں نے مشرکین کی بات ماننے سے انکار کیا اور اسلام پر ڈٹی رہیں۔ امام احمد نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اسلام کی پہلی شہید حضرت عمار کی ماں حضرت سمیہ تھیں۔ ابوجہل نے ان کی شرم گاہ میں نیزہ مار کر ان کو قتل کر دیا۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ سب سے پہلے ایک خاتون اپنے خون سے اسلام کے پودے کی آب یاری کرے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان سات السابقون الاولون میں ہوتا ہے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور ان سات لوگوں میں بھی شہادت کا منصب انھیں ملا۔

یہ اذیت صرف لونڈیوں تک محدود نہ تھی، بلکہ قریش کے ہر قبیلے کی شاخ اپنے ان لوگوں کو اذیتیں دیتے تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی سعید بن زید اور اپنی بہن کو

باندھ کر اذیت دیتے تھے۔ مشرکین صرف مکہ ہی میں خواتین کو اذیت نہ دیتے تھے، یہ وبا مکہ سے دور رہنے والے قبائل میں بھی سرایت کر گئی تھی۔ ام شریک غزیہ بنت جابر اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہو چکی تھیں۔ ان کے شوہر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر گئے تھے۔ ان کے قبیلے بنو عامر نے انھیں پوچھا: کیا وہ اسلام پر قائم ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، انھوں نے قسم کھائی کہ وہ ان کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کریں گے۔ وہ انھیں کھانا تو دیتے تھے، لیکن پانی روک لیتے تھے۔ تین دن تک ان کو مسلسل دھوپ میں رکھا حتیٰ کہ ان کے ہوش وحواس اور قوت گویائی اور قوت شنید جاتی رہی۔ تیسرے روز انھوں نے مطالبہ کیا کہ دین اسلام چھوڑ دو، انھوں نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے توحید کا اقرار کیا۔ ہجرت سے پہلے اسلام نے مدینہ میں راہ پا لی تھی۔ حوا بنت یزید بن سنان انصاری مسلمان تھیں۔ ان کا خاوند قیس بن حطیم ان کو اسلام سے روکتا تھا اور جب وہ سجدہ کرتیں تو ان کو سر کے بل الٹا دیتا۔ ان کا خاوند جب حج کے موسم میں مکہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ملے اور فرمایا: اے ابو یزید، مجھے پتا چلا ہے کہ جب سے تیری بیوی نے تیرا دین چھوڑا ہے، تو اس سے بدسلوکی کرتا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کے بارے میں مجھے ذہن میں رکھو۔ اسے تنگ نہ کرو۔

توحید کی تردید صرف مکہ تک محدود نہ تھی، بلکہ پورے جزیرۂ عرب کا یہی موقف تھا۔ دعوت کے اس مرحلہ میں ابن حجر نے (الاصابہ ۲۲۱/۸ میں) عبدالرحمان عامری سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے مقام پر ہمارے پاس آئے اور ہمیں اپنی مدد اور حمایت کی دعوت دی، ہم نے دعوت کو قبول کر لیا۔ اتنے میں بیجرو بن فراس قشیری آیا اور اس نے آپ کی اونٹنی کو چھوا۔ اس نے بدک کر آپ کو نیچے گرا دیا۔ اس وقت ضباعہ بنت عامر ہمارے یہاں تھیں۔ وہ اپنے چچیرے بھائیوں سے ملاقات کرنے آئی تھیں اور ان کا شمار ان عورتوں میں ہوتا تھا جو مکہ میں اللہ کے رسول کے ساتھ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ جب آپ نیچے گرے تو اس نے آواز دی: اے بنی عامر، تمھارے سامنے اللہ کے رسول کے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے اور تم میں سے کوئی بھی ان کی مدد نہیں کر رہا، یہ سن کر اس کے چچیرے بھائیوں میں سے تین آدمی اٹھے۔ ان میں ہر ایک نے بجیر کے ایک ایک آدمی کو پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا۔ اس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کے منہ کو اوپر اٹھا کر تھپڑ مارے۔ اس پر اللہ کے رسول نے فرمایا: یا اللہ، ان پر اپنی برکت نازل کر۔ وہ تینوں کے تینوں مسلمان ہو کر شہید ہوئے۔ اس خاتون نے اپنا رول اس وقت ادا کیا، جب اسلام ابھی حالت عزلت میں تھا۔

خاتون سے اس قدر بہادری کے کارنامے کیونکر سرزد ہوئے؟ اس قدر ایثار و قربانی کا اظہار وہ کیسے کر پائی، جبکہ

ابھی مادی اور اقتصادی لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور ماحول زمانۂ جاہلیت کا سا تھا بات یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں تبدیلی آ چکی تھی۔ جن ارباب کی وہ زمانۂ جاہلیت میں پرستش کرتے تھے، وہ انھیں چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔ نئے عقیدے نے ان کے اندر بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی، جسے دیکھ کر اذیتیں دینے والے مشرکین بھی دنگ رہ گئے تھے۔

ہجرت میں خواتین کا کردار

ہجرت کی تعریف کیا ہے؟ اس تاریخی تحریک میں عورت کا کردار کیا تھا؟ کیا عورت پر بھی مرد کی طرح ہجرت واجب تھی؟ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟

عربوں کے یہاں جب بدو صحرا سے شہر کی طرف منتقل ہو جاتے، اسے 'مُهَاجَرة' (ہجرت) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مذہبی اصطلاح میں ایک سرزمین کو چھوڑ کر دوسری سرزمین کی طرف منتقل ہونا ہجرت کہلاتا ہے۔ مہاجر کو مہاجر اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اس گھر بار کو خیر باد کہا، جہاں وہ پلے بڑھے تھے۔ اسلام میں دو ہجرتیں ہیں: ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ۔

ہجرت اسلام کی دعوت کے لیے ایک ضروری سیاسی معاملہ تھا تا کہ یہ دعوت اپنے اصل مقصد تک پہنچ جائے۔ اسلامی ریاست کا قیام تو دور کی بات ہے، مسلمانوں کے پاس نہ تو اتنی تعداد تھی اور نہ اتنا ساز و سامان جس کے برتے پر وہ مشرکین مکہ کا مقابلہ کرتے اور اللہ کی شریعت کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے۔ مکہ میں مسلمانوں پر بڑا کڑا وقت گزرا۔ وہ مکہ میں یا تو چوری چھپے رہتے تھے یا کسی کی پناہ میں۔ بعثت سے دس برس بعد جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے سفر سے لوٹے تو وہ مکہ میں مطعم بن عدی کی پناہ کے بغیر داخل نہ ہو سکے۔ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت ایک سوچی سمجھی سیاسی تحریک تھی جو اللہ کی نگرانی میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ مقصد یہ تھا کہ دعوت اور اس کی سیاست محفوظ رہے۔

ہجرت حبشہ ان مسلمانوں کے لیے ایک پسندیدہ فعل تھا جو اپنا دین بچا کر مکہ سے نکل سکتے تھے، مگر ہجرت مدینہ بشمول مرد اور عورت، سب مسلمانوں پر واجب تھی۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد شروع ہوئی اور فتح مکہ تک جاری رہی جب دعوت اسلام کے پاؤں جم گئے۔ یہ ہجرت مسلم حکومت کی خاطر ایثار، جذبۂ ایمان اور نصرت حق کی مظہر تھی۔

ہجرت حبشہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا دیکھا تو آپ نے فرمایا: ''کاش،

تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاؤ، کیونکہ وہاں پر ایک ایسا بادشاہ ہے جو ظلم کی اجازت نہیں دیتا اور وہ سرزمین سچائی کی سرزمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تمھیں اس مصیبت سے نکالنے کا راستہ پیدا کردے جو تم پر گزر رہی ہے''۔ یہ ۵ بعثت کا واقعہ ہے۔ جان بچانا دین بچانے کی تمہید ہے۔ ابن اسحاق نے لیلیٰ بنت ابی حثمہ سے روایت کی ہے کہ ہم حبشہ جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے، (میرا شوہر) عامر ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے باہر نکلا ہوا تھا کہ عمر جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور وہ ہمیں اذیت دیتے تھے، میرے یہاں آئے اور کہنے لگے: اے ام عبداللہ، کوچ کر رہی ہو؟ میں نے کہا: ہاں، ہم اللہ کی سرزمین سے نکل رہے ہیں، کیونکہ تم لوگوں نے ہم پر بہت سے ستم ڈھائے ہیں۔ ہم اس وقت تک نکلتے رہیں گے، جب تک اللہ ہمارے لیے کوئی راستہ نہیں نکالتا۔

مسلمانوں کی زندگی میں عقیدے کا جو عمل دخل ہے، ہجرت اس کی عملی تطبیق ہے۔ اسلام اس عقیدے کے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ وطن اور رشتوں کے بندھن سے آزاد ہو جائیں۔ اور انھیں وہاں چین ملے جہاں ان کے عقیدے کو قرار حاصل ہو۔ ''تاریخ طبری'' میں ابن اسحاق سے مروی ہے: مہاجرین نے کہا: ہم ایک بہترین پڑوسی کی پناہ میں آ گئے ہیں۔ ہمارا دین محفوظ ہو گیا ہے اور ہم بغیر کسی کھٹکے کے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ ایک وقتی ہجرت تھی، جس کا مقصد اسلامی ریاست کا قیام نہ تھا۔

ہجرت حبشہ میں خواتین کا کردار

پہلی ہجرت حبشہ میں گیارہ مرد اور چار خواتین تھیں۔ ان میں سے کچھ سوار تھے، کچھ پیدل راستے کی سختیاں سہتے ہوئے سمندر تک پہنچے۔ قریش نے ان کا پیچھا کیا، مگر وہ جا چکے تھے۔ خواتین میں رقیہ بنت رسول اللہ، جن کا اس ہجرت میں حمل بھی گر گیا تھا، سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشیہ، اس کا باپ قریش کا سردار تھا جس نے مشرکین کی طرف سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر کیا۔ اس کی ماں فاطمہ بنت عبد العزی اوائل مسلمانوں میں سے تھیں، مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی۔ یہ وہی خاتون ہیں جنھوں نے حذیفہ کے غلام سالم کو اپنا بیٹا بنایا اور پانچ روز تک اپنا دودھ پلایا۔ لیلیٰ بنت ابی حثمہ العدویہ اور ام سلمہ جو بعد میں ام المومنین ہو گئیں اور ہجرت حبشہ کے بارے میں ان کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ کتنی گہرائی کے ساتھ واقعات کا ادراک رکھتی تھیں اور انھوں نے ان واقعات کو تاریخ میں کیسے محفوظ کر لیا۔

دوسری ہجرت حبشہ میں مردوں کی تعداد ۸۳ تھی اور خواتین کی تعداد ۲۱ تھی۔ اس مین ان صحابی خواتین کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جو حبشہ میں پیدا ہوئیں۔ ان میں امہ بنت خالد بن سعید اور ربطہ بنت حارث کی بیٹیاں عائشہ، زینب اور فاطمہ تھیں۔

ہجرت کرنے والی عورتوں میں ام حبیبہ، اور فارعہ ابوسفیان کی بیٹیاں تھیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور سہیلہ اور ام کلثوم سہیل بن عمرو کی بیٹیاں تھیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور تین امہات المومنین، ام حبیبہ، ام سلمہ اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ قریش نے نجاشی کے دربار میں اپنا وفد بھیجا جس نے مختلف حیلے بہانوں سے نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا، مگر ناکام رہے۔ خواتین کو پردیس میں مردوں کے شانہ بشانہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

کچھ خواتین حبشہ میں فوت ہوگئیں۔ ان میں فاطمہ بنت صفوان بن امیہ، ام خزیمہ (ام حرملہ) اور ربطہ بنت حارث تھیں۔ فاطمہ بنت حارث راستہ میں زہر آلود پانی پینے سے اپنے بیٹے موسیٰ اور دو بیٹیوں عائشہ اور زینب کے ساتھ فوت ہوگئیں۔ کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے شوہر حبشہ میں فوت ہوئے، مگر وہ اپنے عقیدے پر قائم رہیں۔ ان میں ام حبیبہ، فاطمہ بنت مجلل، رملہ بنت ابی عوف، فکیہہ بنت یسار کا شمار ہوتا ہے۔ فاطمہ بنت مجلل اپنے دو بیٹوں کے ساتھ کشتی میں واپس آئیں۔ رملہ بنت ابی عوف کا شوہر فوت ہوا تو ان کے یہاں ان کے بیٹے عبداللہ کی پیدائش ہوئی۔ ام حبیبہ کے شوہر عبداللہ بن جحش عیسائی ہوگئے، مگر وہ اپنے عقیدے پر قائم رہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر کو خواب میں بری حالت میں دیکھا اور ڈر گئی۔ صبح ہوئی تو وہ عیسائی ہوگیا۔ میں نے اسے اپنا خواب بتایا، اس نے کوئی پروانہ کی اور شراب نوشی کرتا رہا، یہاں تک کہ مرگیا۔ خواب میں مجھے ہاتف غیبی نے ام المومنین کے لقب سے پکارا۔

سورۂ حج (۲۲) کی آیت ۵۸ میں اللہ کا قول ہے:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ.

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر قتل ہوئے یا مرگئے، ان کو اللہ اچھا رزق دے گا اور بے شک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

ہجرت مدینہ

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے بیعت عقبہ ثانیہ لی تو آپؐ نے مسلمانوں سے کہا: بے شک، اللہ نے تمھارے بھائی بنا دیے ہیں اور تمھیں ایک گھر عطا کر دیا ہے جہاں تم چین سے رہ سکو گے تو وہ جوق در جوق مدینہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ہجرت مدینہ ایک اہم موڑ ہے جس میں دین کی حفاظت کے لیے وطن کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلسل تیرہ برس تک اسلام بے وطن رہا اور مسلمان بغیر ریاست کے رہے۔ وطنیت کا نظام اور اس کے سیاسی حقوق ہجرت کی بنیاد پر قائم ہوئے۔ ہجرت مدینہ ایک ایسی سیاسی تحریک ہے جس کے چلانے والوں کے ہاتھ میں ایمان کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا۔ مسلمان مردوں اور عورتوں نے اس تحریک میں شانہ بشانہ حصہ لیا۔ وطن چھوڑنے سے

بڑھ کراور کون سی قربانی ہوسکتی ہے؟ مگر انھوں نے وطن پر عقیدے کو ترجیح دی۔ ہجرت دین کی راہ میں رنج والم کی طویل داستان ہے۔

خواتین کی ہجرت

ہجرت مدینہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب تھی اور اس کا مقصد اسلامی ریاست کا قیام تھا۔ خواتین نے یہ ہجرت اپنے عزیز و اقارب کی تقلید میں نہیں کی، بلکہ پورے ارادہ اور اختیار کے ساتھ اپنے عقیدے کی حفاظت اور اسلامی ریاست کے قیام کے لیے کی۔

ابن سعد نے قبیلۂ قریش، اس کے حلیفوں اور موالیوں کی جن مسلمان خواتین کا ذکر کیا ہے، ان میں سے اکثر و بیشتر نے ہجرت کی۔ ان کے علاوہ دوسرے قبائل سے تعلق رکھنے والی تقریباً ساٹھ خواتین کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے ہجرت کی۔ ان کے علاوہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں اور دوسری رشتہ دار خواتین کی ایک بڑی تعداد ہے۔

مہاجر خواتین کی مشکلات

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تیاری مکمل ہوچکی تو ان کے شوہر کے بھائی نے ایک اونٹ پیش کیا جس پر وہ سوار ہوگئیں۔ خود اس نے اپنا تیر کمان اٹھایا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑا۔ قریش کے لوگوں نے ان کا پیچھا کیا، یہاں تک کہ انھوں نے انھیں جا لیا۔ ہبار بن اسود آگے بڑھا، اس نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ مارا وہ پیٹ سے تھیں، ان کا حمل گر گیا۔ قبیلۂ دوس کی عورت ام شریک کے شوہر حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ ہجرت کر چکے تھے۔ وہ اس تلاش میں تھیں کہ کوئی شخص ان کو مدینہ پہنچا دے۔ انھیں ایک یہودی ملا جس نے دم بھر لیا کہ وہ انھیں مدینہ پہنچا دے گا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق اس یہودی کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔ ام شریک نے کسی الزام اور بہتان کی پروا کیے بغیر یہودی کے ساتھ مدینہ کا راستہ لیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ ام ایمن کے پاس زاد راہ بھی نہ تھا، مگر انھوں نے پیدل مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ جب ابوسلمہ نے مدینہ کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا تو مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بٹھایا اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل پڑا۔ جب بنو مغیرہ کے آدمیوں نے اسے دیکھا تو انھوں نے اسے کہا: تم خود تو جا سکتے ہو، لیکن ہم یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ اپنی بیوی کو جگہ جگہ لیے پھرو۔ انھوں نے مجھے اس سے چھین لیا۔ ابوسلمہ کے خاندان والوں نے کہا کہ بخدا، اگر تم نے اس کی بیوی کو چھین لیا ہے تو ہم اس بچے (سلمہ) کو تمھارے

حوالے نہیں کریں گے۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ کھینچا تانی میں سلمہ کا ہاتھ ٹل گیا اور ابوسلمہ کے خاندان والے اسے لے گئے۔ مجھے بنومغیرہ نے روک لیا اور ابوسلمہ اکیلے مدینہ روانہ ہو گئے۔ میں ہر روز صبح مکہ کی وادی میں نکلتی اور شام تک روتی رہتی۔ تقریباً ایک سال گزر گیا، میرے چچیرے بھائیوں میں سے ایک کو میری حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے بنومغیرہ سے کہا: اس بے چاری کو جانے دو، تم نے اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر رکھا ہے۔ پھر اس نے مجھے کہا: جاؤ اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ بنواسد نے میرا بیٹا بھی مجھے لوٹا دیا۔ میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر تن تنہا مدینہ کی طرف چل پڑی۔ جو کوئی مجھے ملتا اس سے کھانے کے لیے لے لیتی۔ جب میں مقام تنعیم پر پہنچی تو مجھے عثمان بن طلحہ ملے، انھوں نے پوچھا: ابوامیہ کی بیٹی، کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا: مدینہ اپنے شوہر کے پاس، انھوں نے کہا: تمھارے ساتھ کوئی ہے؟ میں نے کہا: بیٹے کے سوا کوئی نہیں۔ انھوں نے میرے اونٹ کی لگام پکڑی اور چل پڑا۔ بخدا، عربوں میں سے اس سے بڑھ کر شریف النفس میں نے نہیں دیکھا۔

اکیلی یہ روایت یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ خواتین کو ہجرت کی راہ میں کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ام سلمہ کا قول ہے کہ بخدا، مجھے کسی مسلمان گھرانے کا پتا نہیں جس کو ابوسلمہ کے گھرانے سے بڑھ کر تکلیف پہنچی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں خواتین کا کردار

وہ خاتون رقیقہ بنت ابی صفی بنت ہاشم تھیں جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ آج رات مشرکین آپ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ نبی پاک کے بستر پر اس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ سوئے تھے۔ یہ خبر انتہائی صیغۂ راز میں رکھی گئی تھی۔ اس عمر رسیدہ خاتون نے جو اس وقت سو برس کے لگ بھگ تھی کس قدر کاوش اور حسن تدبیر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک خبر پہنچائی ہو گی۔ اس کے لیے انھوں نے اپنے بیٹے مخرمہ پر بھی اعتماد نہ کیا، بلکہ بہ نفس نفیس خبر دینے کے لیے گئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ماریہ نیچے جھکی اور اس پر پاؤں رکھ کر آپ نے دیوار کو پھلانگا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول خلاف معمول دوپہر کو آئے اور حضرت ابوبکر کو بتایا: مجھے ہجرت کا حکم ملا ہے۔ میں نے اور اسماء نے مل کر زادراہ تیار کی، اسے ایک تھیلے میں ڈالا۔ اسماء نے اپنے کمربند (نطاق) کے دو حصے کر کے تھیلے کا منہ باندھا، اسی وجہ سے حضرت اسماء کا لقب ذات النطاقین (دو کمربندوں والی) پڑ گیا۔ یہ اسماء تھی جو سرشام کٹھن راستے سے ہوتے ہوئے غار حراء میں کھانا پہنچانے جاتی تھیں۔ کس قدر نڈر اور باہمت خاتون تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غار حراء میں پہنچنے کے بعد ابوجہل

قریش کی جماعت کو لے کر حضرت ابوبکر کے گھر آتا ہے اور اسماء سے پوچھتا ہے: تمھارا باپ کہاں ہے؟ اسماء کہتی ہیں کہ مجھے علم نہیں، وہ ان کے منہ پر زوردار تھپڑ مارتا ہے جس سے ان کے کان کا بندہ نیچے گر جاتا ہے۔ وہ بڑی دانش مندی سے اپنے نابینا دادا کو مطمئن کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر ہمارے لیے کافی نقدی چھوڑ گئے ہیں، حالاں کہ حضرت ابوبکر ان کے لیے کچھ چھوڑ کر نہ گئے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماء کو اپنے گرد و پیش ہونے والے واقعات کا پورا ادراک تھا اور ہجرت کی اہمیت کا احساس تھا۔ انھوں نے جب ہجرت کی تو ان کے حمل کے آخری ایام تھے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مدینہ میں پیدا ہونے والے پہلے مولود ہیں۔

اس طرح خواتین نے نبی پاک کے لیے ہجرت کی راہ ہموار کی اور ہجرت کے راز کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ یہ راز صرف حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت رقیقہ، حضرت ماریہ، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء تک محدود تھا۔ وہ خاتون ہی تھی جو جان کا خطرہ مول لے کر کھانا غار حراء میں پہنچاتی تھی۔ پھر جس نے مشرکین کی گالیاں بھی سنیں اور حالت حمل میں سفر کی تکلیف برداشت کی۔

ممتحنات

صلح حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان جو معاہدہ ہوا، اس کے مطابق نبی پاک اس بات کے پابند تھے کہ جو مکہ سے مدینہ سرپرست کی اجازت کے بغیر آئے گا، اسے واپس کر دیا جائے گا۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط اپنے والدین کو چھوڑ کر بنوخزاعہ کے ایک آدمی کے ساتھ مدینہ پہنچیں وہ نو جوان تھیں۔ اس کے گھر والے پیچھے پیچھے آئے اور نبی کریم سے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ جب آپ واپس کرنے لگے تو ام کلثوم بول اٹھیں: اے اللہ کے رسول، آپ مجھے مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں جو میری ان چیزوں کو روا سمجھیں گے جنھیں اللہ نے حرام کر دیا ہے اور جو مجھے دین کے بارے میں آزمایش میں ڈالیں گے۔ چنانچہ اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ. (الممتحنہ ۶۰: ۱۰)	’’مومنو، جب تمھارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان لے لو۔ اللہ تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو، (کیونکہ) یہ نہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے۔‘‘

یہ ام کلثوم مکہ سے مدینہ پیدل گئیں، جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ عقیدے کو وطن پر کس قدر ترجیح دیتی تھیں۔ یہ پہلی خاتون تھیں جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائیں۔

چنانچہ ہجرت کرنے کے بعد مومن خواتین کو امتحان سے گزرنا پڑتا تھا کہ کہیں وہ دنیوی مقصد کے لیے تو وطن نہیں چھوڑ رہیں۔ نہ صرف یہ، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہجرت پر بیعت لیتے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب آپ اعراب (بدوؤں) سے اس لیے بیعت نہیں لیتے تھے کہ آپ کو پتا تھا کہ یہ بدو بیعت کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے۔ اس بات کا ڈر تھا کہ وہ بیعت توڑ نہ دیں، کیونکہ ہجرت ایک شدید اور سنجیدہ فعل تھا۔ وہ خواتین سے اس لیے ہجرت پر بیعت لیتے تھے کہ ان کو یقین تھا کہ وہ بیعت کے تقاضے پورے کریں گی۔

ابن حجر نے ایسی سات خواتین کے نام گنوائے ہیں جن کو امتحان سے گزرنا پڑا۔ امام زہری کا قول ہے کہ مہاجر خواتین میں سے ایک خاتون بھی مرتد نہیں ہوئی۔

خواتیں کا امتحان یہ تھا کہ وہ توحید اور رسالت کی شہادت دیتیں اور کہتیں: بخدا، میں خاوند سے ناراض ہو کر یا ایک زمین کو چھوڑ کر دوسری زمین کی رغبت کی خاطر یا کسی دنیوی مصلحت کی خاطر نہیں آئی ہوں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خاطر آئی ہوں۔ ان الفاظ کو قرآن نے امتحان سے تعبیر کیا ہے۔ عقیدہ اور دین کسی مسئلہ پر ایمان لانے کے دو اجزاے ترکیبی ہیں، اور اس کے سیاسی پہلو کی نمائندگی کرتے ہیں۔ قرآن کی نص اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام خاتون کے احساس ذمہ داری پر پورا اعتماد کرتا ہے اور اسے بھی زمین کی خلافت کا اسی طرح حق دار تصور کرتا ہے جس طرح مرد کو۔

ہجرت کی اہمیت

سورۂ نساء میں اللہ فرماتا ہے:

> ''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو (ان سے) پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں عاجز و ناتواں تھے۔ (فرشتے) کہتے ہیں کہ اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ سوائے ان مردوں، عورتوں اور بچوں کے جو نہ کوئی حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ راستہ جانتے ہیں۔'' (۴: ۹۷-۹۸)

ان مستثنیٰ لوگوں کے لیے بھی اللہ نے حرف رجا 'عَسٰی' استعمال کیا ہے، یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہجرت کے بغیر کوئی چارہ نہیں، خواہ اس کے لیے حیلے اختیار کرنے پڑیں یا تنگ راستے ڈھونڈنے پڑیں۔ قرآن ان لوگوں کے خلاف سخت موقف اختیار کرتا ہے جو ضعف کو بہانہ بنا کر ذلت کی زندگی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ گویا وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اس لحاظ سے ہجرت ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اور سورۂ انفال (۸) کی آیت ۷۲ کے مطابق جو ہجرت نہیں کرتا، وہ مسلمانوں کی ولایت کا حق دار نہیں، مسلمانوں کی ولایت کا حق دار صرف وہی ہے جو ہجرت کرتا ہے۔ عقیدے کی صورت میں دین کا وجود اللہ کا حکم ہے، لیکن اس کی عملی شکل یہ ہے کہ یہ ایک ایسے معاشرے میں ڈھل جائے جس کے افراد ایک قائد کے تحت وفاداری اور جان نثاری کے رشتہ سے منسلک ہو کر آگے بڑھتے رہیں۔ جاہلی معاشرے میں لوگ فرداً فرداً آگے بڑھتے ہیں، جبکہ اسلامی معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ اور وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ معاشرہ زیادہ مستحکم اور زیادہ قوی ہوتا ہے۔ ہجرت کو مرد اور عورت پر اس لیے واجب کیا گیا ہے تاکہ وہ مل جل کر اس قسم کے معاشرے کی تعمیر کریں۔ مومن مردوں اور عورتوں کی دوستی ایمان کی دوستی ہے اور یہی وہ بندھن ہے جو زندگی کے ہر مرحلے میں ان کو ایک دوسرے سے باندھ کر رکھتا ہے۔ شریعت کے مقاصد کے حصول کے لیے یہ دوستی ازبس ضروری ہے۔ چنانچہ ہجرت ایک سیاسی عمل ہے جس کا مقصد دین کی حفاظت کے لیے ایک ریاست کا قیام ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان مشرکوں سے الگ ہو جائیں، خواہ ان کے ساتھ ان کے نسبی رشتے ہوں۔ مسلم امت کا قیام ایک شرعی ضرورت ہے جس کو کوئی مسلمان مرد یا عورت نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مہاجر خواتین کو اللہ نے یہ اعزاز بخشا ہے کہ اپنے رسول کے لیے یہ شرط عائد کی کہ اگر وہ اپنی رشتہ دار عورتوں سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ان کا مہاجر ہونا لازمی ہے (الاحزاب ۳۳: ۵۰)۔

خلاصۂ بحث

ہجرت اسلامی معاشرے کے لیے ایک اتحاد کی مضبوط اور پر مغز نمائندہ ہے۔ اس کے لیے مہاجر خواتین نے سخت مشکل حالات میں ہجرت کی۔ اپنی نسوانیت، عدم قدرت کو بہانہ بنا کر اس سے اعراض نہیں کیا۔ شادی شدہ، غیر شادی شدہ، چھوٹی بڑی سب خواتین نے ہجرت کی۔ خاوند کے ساتھ بھی اور خاوند کے بغیر بھی، محرم کے ساتھ بھی اور نامحرم کے ساتھ بھی، بلکہ ایک یہودی کے ساتھ بھی۔ حمل کے ابتدائی ایام میں بھی اور حمل کے آخری ایام میں بھی۔ حمل گرنے کی کوئی پروا نہ کی اور نہ اپنی عفت و کرامت کے سلسلہ میں کسی بہتان کو خاطر میں لائیں۔ ان واقعات سے

ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت کی ان کی نظر میں کیا اہمیت تھی۔

خواتین اور بیعت

عہد نبوت میں خواتین کا سیاسی کردار بیعت کے عمل میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیعت اسلام کے سیاسی نظام میں مردوں اور عورتوں کی طرف سے منہج اور شریعت کی پابندی کا عہد ہے کہ بیعت کرنے والا مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہے گا اور ان کے امام کی اطاعت کرے گا۔

اس کے تین ارکان ہیں: امام، امت اور شریعت۔ صرف بیعت کرنے سے ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، بلکہ یہ ذمہ داری دین کی حفاظت، باہمی مشورے سے اسلامی قانون کے نفاذ اور حاکم کی نگہداشت تک یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ حاکم اگر سیدھے راستے سے ہٹ جائے تو اس کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور ضرورت پڑنے پر اسے معزول کرنا بیعت کرنے والے کا فرض ہے۔

خواتین کی بیعت کے سلسلہ میں لکھنے والوں نے عموماً اپنی توجہ ان پہلوؤں پر مرکوز کی ہے جن کا عملی سیاست سے کوئی تعلق نہیں مثلاً ہند بنت عتبہ کی بیعت کے واقعہ میں صرف اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ آیا اسے شوہر کے مال سے خرچ کرنے کا حق ہے؟ یا مکہ میں عورتوں کی بیعت کے موقع پر ساری توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ عورت مصافحہ کرے یا نہ کرے اور بیعت میں استعمال ہونے والے لفظ 'المعروف' کے معنوں کو تنگ کر دیا گیا ہے، محض یہ دکھانے کے لیے کہ خواتین کی بیعت چند مخصوص احکام تک محدود تھی، یعنی بن سنور کر نہ نکلیں اور نوحہ گیری نہ کریں۔

بعثت کے پہلے سال ہی سے خواتین کی بیعت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' (۵/ ۱۵۵) میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما جب مکہ آتے تو بنت ثابت کے ہاں قیام کرتے، اور بنت ثابت کا شمار ان سات خواتین میں ہوتا ہے جنھوں نے مکہ میں اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان میں وہ تمام خواتین شامل ہیں جنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہ بھی جنھوں نے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ایمان پر بیعت کی۔ سیرت نگاروں نے ایسی چودہ خواتین کے نام گنوائے ہیں۔ ان تمام خواتین نے ایمان اور عقیدے پر بیعت کی۔

بیعت عقبہ ثانیہ

انصار نے تین مرتبہ منیٰ میں عقبہ کے مقام پر نصرت رسول اور جہاد کے لیے بیعت کی۔ پہلی مرتبہ وہ بہت کم تعداد

میں تھے اور حلقۂ اسلام میں چھپتے چھپاتے داخل ہوئے۔ پھر اگلے سال بیعت عقبہ اولیٰ کی۔

اس سے اگلے برس انصار کے ۷۳ مرد اور دو خواتین مکہ آئے۔ وہ دو عورتیں نسیبہ بنت کعب ام عمارہ اور اسماء بنت عمرو تھیں۔ یہ بیعت اسلام کی حمایت میں ہر گورے اور کالے کے خلاف تھی۔ اس بیعت کے بدلے اللہ نے بیعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا۔ یہ بیعت واضح طور پر اسلام میں امن اور جنگ، دونوں پہلوؤں پر حاوی تھی۔ یہ دونوں خواتین روایت کرتی ہیں کہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس نے بات شروع کی (وہ ان دنوں مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور کہا: اے خروج کے لوگو، ہمارے یہاں محمد کا جو مقام ہے تم لوگ جانتے ہو ہم پوری قوم کے مقابلے میں ان کی حفاظت کر رہے ہیں، وہ لازمی طور پر تمھارے یہاں جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ ان کی دعوت پر لبیک کہنے، مخالفین کے مقابلے میں ان کی حمایت کرو گے تو ٹھیک ہے تم جانو اور تمھارا کام اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان کا ساتھ نباہ نہیں سکو گے تو ابھی سے ان کو چھوڑ دو۔ انصار نے کہا: آپ نے جو کہا، ہم نے سن لیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ بات کریں، آپ نے فرمایا: تم اس بات پر میری بیعت کرو گے کہ تم سستی اور چستی، دونوں حالتوں میں میری بات سنو گے، تنگی اور ترشی میں خرچ کرو گے، نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے، اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی کوئی پروا نہ کرو گے اور تم میری حفاظت اس طرح کرو گے، جس طرح تم اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس کے بدلے میں تمھیں جنت ملے گی۔ ان الفاظ پر مردوں اور خواتین، سب نے بیعت کی۔

اس بیعت میں خواتین کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خواتین کو اپنے گرد و پیش کا ادراک تھا۔ صحابی خواتین کی اس بیعت میں شرکت جو نصرت اور جہاد کے لیے تھی اور جس کے نتائج بہت گھناؤنے تھے، ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ یہ بیعت جہاد کے لیے تھی جبھی تو بخاری (رقم ۲۶۷۹) میں غزوۂ خندق کے موقع پر یہ الفاظ انصار کی طرف منسوب ہیں:

نحن الذين بايعوا محمدًا　　على الجهاد ما بقينا أبدا

''ہم وہ ہیں جنھوں نے جیتے دم محمد کے ہاتھ پر جہاد کے لیے بیعت کی ہے۔''

ہجرت کے بعد ایمان پر بیعت

ام عامر اشہلیہ سے روایت ہے کہ میں، لیلیٰ بنت خطیم اور حوا بنت یزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چادریں

اوڑھے ہوئے آئیں۔ وقت مغرب اور عشاء کے درمیان تھا۔ میں نے سلام کیا، آپ نے میرا حسب نسب پوچھا، میں نے اور میری دونوں سہیلیوں نے اپنا اپنا حسب نسب بتایا۔ آپ نے ہمیں خوش آمدید کہا اور فرمایا: تمھاری کیا حاجت ہے؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول، ہم اسلام کے لیے آپ کے ہاتھ پر بیعت کے لیے آئی ہیں۔ ہم آپ کی تصدیق کرتی ہیں۔ ام عامر کہتی ہیں کہ میں آپ سے قریب ہوئی تو آپ نے فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ میرا قول ایک عورت کے لیے بھی وہی ہے جو ایک ہزار عورتوں کے لیے ہے۔ ام عامر کہا کرتی تھیں: میں نے سب سے پہلے اللہ کے رسول کی بیعت کی (ابن سعد ۲۴۷/۸)۔ ابن سعد نے دس ایسی خواتین کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے پہلے نبی پاک کے مدینہ پہنچنے کے بعد آپ کی بیعت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہتے کہ خواتین نیکی کے کاموں میں شرکت کریں تو آپ اس قسم کی بیعت ان سے کیا کرتے تھے۔ امام بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں عید الفطر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا۔ لگتا ہے کہ میں اب بھی انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگوں کو بٹھا رہے ہیں اور ان میں سے راستہ بناتے ہوئے بلال کے ساتھ خواتین کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (الممتحنہ ۶۰: ۱۲)

”اے پیغمبر جب تمھارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ شریک کریں گی، نہ چوری کریں گی، نہ بدکاری کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان سے متعلق کوئی بہتان تراشیں گی، نہ معروف میں تمھاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک، اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔“

آیات کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر بیعت کرتی ہو؟ ایک عورت نے سب عورتوں کی طرف سے جواب دیا: ہاں، اے اللہ کے رسول۔ پھر حضرت بلال نے کپڑا پھیلایا اور انھوں نے اس کپڑے میں اپنی چھوٹی بڑی انگوٹھیاں ڈالنی شروع کیں*۔ اللہ چاہتا تھا کہ خواتین کے نفوس کو تمام آلایشوں سے پاک کر دے اور ان کے دین، عقیدے اور طرز زندگی سے ان آلایشوں کو علیحدہ کر دے تا کہ وہ ثابت قدمی کے ساتھ مدینہ منورہ میں

* رقم ۴۶۱۳۔

اسلامی ریاست کے اصولوں کو قائم کر سکیں۔ یہ الفاظ عقیدے کے بنیادی عناصر کی نمائندگی کرتے ہیں اور یہی نئی اجتماعی زندگی کے عناصر ہیں۔ اور آخری شرط 'لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ' پہلے مذکورہ تمام باتوں کا نچوڑ ہے۔ یہ اللہ کی اطاعت اور قرب، لوگوں سے حسن سلوک اور شریعت کے تمام اوامر ونواہی کے احکام کا ایک جامع نام، یعنی معروف ہے۔ لوگوں کو معروف کا حکم دینا اسلام کی تمام ہدایات کا جوہر ہے۔ اس شرط کے بارے میں سید قطب ''فی ظلال القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''یہ اسلامی دستور کی بنیاد ہے۔ یہ قرار دیتی ہے کہ حاکم کی اطاعت صرف ان کاموں کے ساتھ مشروط ہے جن کا دین حکم دیتا ہے۔ یہ اطاعت مطلق اطاعت نہیں۔ قانون اللہ کا چلے گا، نہ کہ حاکم کا۔ امام اور امت، دونوں پر اللہ کا حکم چلے گا۔ ان کا اختیار اللہ کے اختیار کے تابع ہوگا۔ اگر خواتین اس بنیادی اصول کے مطابق بیعت کریں تو ان کی بیعت کو آپ بھی قبول کر لیں اور پچھلی باتوں سے ان کے لیے بخشش طلب کریں۔'' (۳۵۴۸/۶)

بعض مفسرین نے لفظ 'مَعۡرُوۡف' کو محدود معنی پہنا کر اس سے مراد نوحہ گری، غیر محرم کے ساتھ بات کرنا اور سفر کرنا لیے ہیں۔ آیت کے نزول کے وقت زمانۂ جاہلیت میں عورتیں ایسے کام کرتی تھیں جس کی بنا پر ابن عباس اور ان کے ساتھیوں نے سمجھا کہ معروف سے مراد کپڑے پھاڑنے، منہ نوچنے اور بال کھینچنے سے ممانعت ہے، حالاں کہ قرآنی نصوص کا مفہوم اس بات سے وسیع تر ہے کہ اسے کسی واقعہ کے ساتھ محدود کر دیا جائے۔

بیعت رضوان

سورۂ فتح میں اللہ کا قول ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا. (الفتح ۴۸: ۱۰)

''وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ سے بھی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ پس جو کوئی یہ بیعت توڑتا ہے، وہ اپنی جان کے نقصان کے لیے توڑتا ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے، پورا کرے تو اللہ اسے عنقریب پورا اجر دے گا۔''

یہ بیعت حدیبیہ کے مقام پر سمرہ، یعنی کیکر کے درخت کے نیچے ہوئی۔ اسے بیعت رضوان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا قول ہے:

لَقَدُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الُمُؤُمِنِیُنَ اِذُ یُبَایِعُوُنَکَ تَحُتَ الشَّجَرَۃِ. (الفتح ۴۸:۱۸)

''(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔''

مسلم میں روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ان شاء اللہ درخت والے جنھوں نے اس کے نیچے بیعت کی جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔* یہ بیعت موت پر تھی، عدم فرار پر تھی، ثابت قدم رہنے پر تھی۔ امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' (۲/۲۹۷) میں ان سات خواتین کے نام گنوائے ہیں جو اس بیعت میں شامل تھیں۔

فتح مکہ کے بعد خواتین کی بیعت

بیہقی کے مطابق فتح مکہ کے بعد چھوٹے بڑے، مرد اور عورتیں آپ کے پاس آئے اور بیعت کی۔ ان میں ہند بنت عتبہ بھی تھیں۔ انھوں نے بیعت کے صیغوں پر جو سوال جواب کیے، وہ ان کی مضبوط شخصیت، کمال عقل، حق گوئی اور عربی خاتون کی شرافت و کرامت کو نمایاں کرتے ہیں۔ مثلاً جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر بیعت کرو کہ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی تو انھوں نے کہا: ہم نے تو ان کو پال پوس کر جوان کیا، لیکن آپ نے ان کو قتل کر دیا۔ اسے سن کر حضرت عمر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اسی طرح جب نبی پاک نے فرمایا: اس بات پر بیعت کرو کہ تم چوری نہیں کرو گے تو انھوں نے کہا کہ میں ابوسفیان کے مال سے تھوڑا بہت اس کی اجازت کے بغیر لے لیتی تھی مجھے پتا نہیں کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ ابوسفیان پاس ہی کھڑا تھا، کہنے لگا: جاؤ، میں نے تمھیں معاف کیا۔ جب آپ نے فرمایا: بیعت کرو کہ تم زنا نہیں کرو گی تو ہند نے فوراً کہا: اے اللہ کے رسول، کیا شریف زادی زنا کر سکتی ہے؟ یہ سب باتیں اس لیے کی گئیں کہ بیعت کرنے والا پاک صاف ہو کر پورے خلوص سے بیعت کرے اور اطاعت کے ساتھ معروف کی شرط واضح کرتی ہے کہ بیعت کرنے والا غیر معروف کی اطاعت کا پابند نہیں۔ ابن عساکر نے ''تراجم النساء'' (۴۴۹) میں ایسی گیارہ خواتین کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد ایمان اور اسلام پر بیعت کی۔

انصار کے ساتھ مخصوص بیعت

امام نسائی نے درج ذیل ترتیب میں انصار کے ساتھ مختلف بیعتوں کو ایک ساتھ جمع کیا ہے:

۱۔ 'البیعة علی السمع والطاعة' (سمع و اطاعت پر بیعت)۔

۲۔ 'البیعة علی أن لا تنازع الأمر أهله' (اس بات پر بیعت کہ ہم حکومت کے اہل لوگوں کے ساتھ

* رقم ۲۴۹۶۔

تنازع کھڑا نہ کریں)۔

۳۔'البیعة علی قول الحق'(قول حق پر بیعت)۔

۴۔'البیعة علی القول بالعدل'(انصاف کی بات پر بیعت)۔

۵۔'البیعة علی الأثرة'(ترجیح وخود غرضی کے خلاف بیعت)۔

یہ سب اقسام حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں موجود ہیں جسے امام نسائی نے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔ بیعت کی ان سب دفعات میں مرد اور عورت، دونوں شامل ہیں۔ یہ سب الفاظ معروف کی تعریف سے خارج نہیں جس کا تذکرہ سورۂ ممتحنہ کی آیت میں کیا جا چکا ہے۔

بیعت کی بعض دفعات ایسی ہیں جن کا انحصار تاریخی حالات پر ہے۔ مثلاً موت پر بیعت، جہاد پر بیعت، ہجرت کے لیے بیعت اور عدم فرار پر بیعت۔ ان سب دفعات میں بھی مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔

دفعات میں اختلاف کے باوصف شرعی بیعت کا صیغہ مرد اور عورت کے لیے ایک ہے، اس لیے بیعت عقبہ اولیٰ کو اور آیت ممتحنہ والی بیعت کو عورتوں کی بیعت کا نام دینا قطعی درست نہیں۔ عقبہ اولیٰ کی بیعت میں کوئی خاتون شریک ہی نہ تھی۔ بیعت کی اصل نص وہی ہے جو سورۂ ممتحنہ میں بیان ہوئی ہے۔ خواہ بیعت مہاجر خواتین کے امتحان کی بیعت ہو یا فتح مکہ کی بیعت ہو۔ جتنی بھی بیعتیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر لیں، ان سب کی عبارت ایک ہی ہے۔ یہ سب بیعتیں مسلمان مردوں اور عورتوں نے رسول کی حیثیت سے بھی اور حاکم کی حیثیت سے بھی بیعت کی۔ نسائی (۷/۱۴۲) میں اللہ کے رسول کا قول نقل ہوا ہے: 'الا تبایعونی علی ما بایع علیه النساء' (کیا تم مرد اس بات پر بیعت نہ کرو گے جس پر عورتوں نے بیعت کی ہے)؟

بیعت ایک واضح سیاسی فریضہ ہے۔ اللہ کے رسول نے صرف ایمان اور اخلاقیات پر عورتوں سے بیعت نہیں لی۔ آپ نے سمع وطاعت، نصرت رسول کے لیے بھی عورتوں سے بیعت لی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت ہر مسلمان عورت پر فرض عین تھی۔ بیعت ہر مسلمان مرد اور عورت کا حق ہے کہ حکومت کے سربراہ کے تعین کا یہ شرعی طریقہ ہے۔ امام کے تعین اور معزولی کا اختیار امت کے پاس ہے، اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست کی بنیاد سے پہلے مردوں اور عورتوں، سب سے بیعت لی۔

جہاد میں خواتین کا کردار

جہاد کا اصل مقصد اقامت دین اور اس کی حفاظت ہے، اور ہر اس سرکشی کا سامنا جس کا نشانہ شریعت اور اسلامی

ریاست ہو۔

جہاد جمہور فقہا کے نزدیک فرض کفایہ ہے، یعنی ہر فرد اپنی وسعت کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ یہ اس کے لیے فرض کفایہ ہے کہ نہیں۔ خواتین کی شرکت جہاد میں واجب نہیں، مگر ان کو ممانعت بھی نہیں۔ جنگ میں خواتین کی شرکت عربوں کی قدیم روایت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد جاہلیت کے جنگی نظام میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ فقہا کا بھی مسلک ہے کہ اگر دشمن چڑھ دوڑے تو پھر جہاد کیا مرد اور کیا عورت، سب پر واجب ہو جاتا ہے۔ مسلمان مرد اور خواتین دین کی حفاظت کے لیے ایک لشکر کی مانند ہیں۔ عہد نبوت میں جتنے بھی غزوات ہوئے، ان سب میں خواتین شریک تھیں۔ وہ زخمیوں کو اٹھاتیں، ان کی مرہم پٹی کرتیں، ان کو پانی پلاتیں، شہدا کو مدینہ پہنچاتیں اور ضرورت پڑنے پر شمشیر بہ کف دشمن کا مقابلہ کرتیں۔

غزوۂ بدر

اچانک وقوع پذیر ہوا اور مسلمان جلدی سے مدینہ سے نکلے، اس لیے اس غزوہ میں کسی خاتون کی شرکت کا ثبوت نہیں ملتا۔ ابن حجر نے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' (۴۴۲/۸) میں ام عمرو بنت سلامہ اشہلیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ عقبہ اور غزوۂ بدر میں موجود تھیں۔

غزوۂ احد

صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ النساء مع الرجال (باب اس بارے میں کہ خواتین مردوں کے ساتھ غزوہ میں شریک تھیں) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے (مجھے ان کی پازیب نظر آ رہی تھی) مشکیزے پیٹھ پر اٹھائے پانی زخمیوں کے منہ میں ڈال رہی تھیں۔ جب وہ خالی ہو جاتے تو ان کو دوبارہ بھر کے لاتیں اور ان کے منہ میں ڈالتیں۔ اس کام کے لیے حضرت ام سلیم اکیلی نہ تھیں۔ سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوے میں جاتے تو پانی پلانے کے لیے انصاری عورتوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر جاتے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے مدینے کی عورتوں میں چادریں تقسیم کیں۔ ایک چادر بچ گئی، آپ کو مشورہ دیا گیا کہ یہ چادر ام کلثوم بنت علی کو دے دیں آپ نے فرمایا: نہیں، میں یہ چادر ام سلیط کو جو ہمارے لیے احد کے دن مشکیزے بھر بھر کر لاتی تھیں، کو دوں گا۔ حمنہ بنت جحش احد کے روز پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کو اٹھا کر ان کا علاج کرتی تھیں۔ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ'' (۴۰/۴) میں لکھا ہے کہ خواتین احد کے دن مسلمانوں کے پیچھے مشرکین کے

زخمیوں کا کام تمام کرتی تھیں۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے ہاتھ میں نیزہ تھا، جس سے وہ بھاگنے والوں کے منہ پر مارتی تھیں اور کہتی تھیں: اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہو۔ حضرت ام ایمن کا سامنا بھاگنے والوں کی ایک جماعت سے ہوا تو انھوں نے ان کے منہ پر خاک ڈالتے ہوئے کہا: یہ لو چرخہ اور سوت کاتو۔ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب سے ابن حجر نے الاصابہ (۴۸/۳، ۴۰۱/۸) میں روایت کی ہے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو میں اللہ کے رسول کی طرف گئی اور ان کے دفاع میں شمشیر زنی اور نیزہ بازی کرتی رہی۔ ابن قمیئہ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا کہ بتاؤ مجھے، محمد کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے تو میں نہیں بچوں گا۔ میں، مصعب بن عمیر اور چند اور لوگ اس کے سامنے آئے تو اس نے میرے شانے پر ضرب لگائی، میں نے جواب میں کئی ضربیں لگائیں، لیکن اللہ کے دشمن نے دو زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول پکار رہے تھے: جس طرح ام عمارہ لڑ رہی ہے، اس طرح کون لڑ سکتا ہے؟ میں اپنے دائیں بائیں جہاں بھی دیکھتا تھا، ام عمارہ لڑ رہی ہوتی تھیں۔ آپ نے ام عمارہ کے بیٹے سے کہا: آپ کی والدہ کا مقام فلاں فلاں صحابی سے بلند ہے، اور اس سلسلہ میں آپ نے کئی نام گنوائے۔ اے اہل بیت، اللہ تم پر رحم کرے، ام عمارہ نے درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعا کریں کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے فرمایا: اے اللہ، ان کو جنت میں میرا ساتھی بنا۔ حضرت ام عمارہ نے کہا: اب مجھے دنیا کی مصیبتوں کی کیا پروا۔ ابن کثیر نے ضمرہ بن سعید سے روایت کی ہے کہ میری دادی نے بتایا کہ میں نے احد کے دن ام عمارہ کو بری طرح لڑتے دیکھا۔ گویا کہ میں اب بھی ابن قمیئہ کو ان کے شانے پر چوٹ لگاتے دیکھ رہی ہوں۔ یہ ان کا سب سے بڑا زخم تھا جس کا علاج وہ سال بھر کراتی رہیں۔ انھوں نے لڑنے کے لیے اپنی کمر کے گرد کپڑا باندھ رکھا تھا۔ ان کے جسم پر کل تیرہ زخم آئے۔

یہ وہی عظیم خاتون ہیں جس نے بیعت عقبۂ ثانیہ میں مردوں کے شانہ بشانہ بیعت کی تھی کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی طرح حفاظت کریں گی جس طرح ہم اپنے آپ کی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس عظیم اور جاں باز خاتون پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ آمین

خواتین نے جس طرح غزوۂ احد میں عملی طور پر شرکت کی، بعینہٖ اسی طرح اس کے صدمات پر صبر کیا۔ جنگ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ خون صاف کرتی تھیں، مگر وہ تھمنے کا نام نہ لیتا تھا۔ آپ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر اسے جلایا اور اس کی راکھ زخم کے ساتھ چپکا دی تو خون بند ہو گیا۔ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے اپنے بھائی حمزہ کی بگڑی ہوئی لاش کو دیکھ کر صبر کا دامن تھامے رکھا، انا للہ پڑھا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ دوسری مسلمان خواتین کا بھی یہی وتیرہ تھا۔ ایک دیناری خاتون کا شوہر، باپ اور بھائی شہید

ہو گئے۔ جب اسے خبر ملی تو پوچھنے لگی: نبی کریم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ خیریت سے ہیں تو اس کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا: 'کل مصيبة بعدك جلل يا رسول الله' (اے اللہ کے رسول، آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہلکی محسوس ہوتی ہے)۔

اس غزوہ میں کم وبیش ۱۴ خواتین نے شرکت کی۔ مدینہ میں منافق اور یہودی کہنے لگے: اگر محمد نبی ہوتے تو ان کو شکست نہ ہوتی۔ اگر مسلمان ہماری بات مان لیتے تو وہ اس تکلیف میں مبتلا نہ ہوتے۔ خواتین پر ان باتوں کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔ ایک ایسے وقت میں جب مدینہ نفاق کی فضا سے زہر آلود ہو رہا تھا، کسی ایک خاتون کے بارے میں بھی کوئی روایت نہیں ملتی کہ وہ نفاق کا شکار ہوئی ہو، بلکہ وہ اپنی زبان سے برابر جہاد کرتی رہی۔ اس کی دلیل وہ اشعار ہیں جو ''سیرت ابن ہشام'' میں صحابی خواتین کی طرف منسوب ہیں۔

اس طرح عقیدے اور دین کی محبت خواتین کے دل و دماغ پر چھائی رہی۔ یہی مسئلے کا سیاسی پہلو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیغام پہنچانے والے تھے۔ ان کی زندگی مردوں اور عورتوں، سب کو عزیز تھی۔ اللہ کے راستے میں موت ان کی سب سے بڑی تمنا تھی۔

(باقی)

عقیل احمد انجم

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کی شہادت

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن بھی شہادت کے اس مقام پر فائز ہو گئے جو اس دنیا میں ایک مرد مجاہد کی سب سے بڑی تمنا ہو سکتی ہے۔ لیکن اس بات کو دل ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے کہ جو شخص پہلی ملاقات میں دل میں گھر کر جائے اور جو اپنے شیریں لب و لہجے سے محبتیں بانٹتا ہو، وہ نفرت کا نشانہ کیسے بن گیا؟ کیا ہم اپنی سنگ دلی میں اتنے دور نکل آئے ہیں کہ انسان دوستی، دردمندی، خیر خواہی، وسعت نظری اور نرم کلامی کے علم برداروں کو واجب القتل قرار دینے لگے ہیں۔ ہم کیسے خوف کا شکار ہیں کہ اپنے سوا کسی دوسرے کی بات سننے سے ڈرتے ہیں۔ ہم اپنی آواز کو اس قدر پوجتے ہیں کہ دوسروں کی آواز کو خاموش کرانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اپنے سوا ہم کسی کے نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتے۔ جو ہماری بھلائی کی بات کرتا ہے، اس کی آواز کو خاموش کرنا ہم اپنا فرض جانتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں یہ سختی کہاں سے آ گئی کہ ہم کسی کے نقطۂ نظر کا جواب گولی سے دینے لگے ہیں؟ یہ تکبر اور غرور ہم میں کہاں سے آ گیا ہے کہ ہم قتل و غارت گری پر اتر آئے ہیں؟ جب سے ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کی شہادت کی خبر سنی ہے، اس دن سے میرے دل و دماغ پر اس طرح کے سوالات حاوی ہیں جن کے جواب شاید کسی کے پاس نہیں ہیں۔

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن ان لوگوں میں شامل تھے جن کی دین سے تعلق کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک اس پر عمل اور ایک اس کی نصرت۔ یہ دونوں جہتیں جس کی زندگی میں جمع ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ صرف زندگی کے روز و شب دین کی تعلیمات کے مطابق کر لیے ہیں، بلکہ اپنی مساعی کا ہدف بھی دین کی حفاظت اور فروغ کو بنا لیا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ کم ہوتے ہیں اور ایسے لوگ اور بھی کم ہوتے ہیں جن کی زندگی کا عنوان ہی دین سے تعلق بن جاتا ہے۔ بلاشبہ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن ایسے ہی تھے۔

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن سے میری پہلی ملاقات المورد میں ہی ہوئی جب وہ یہاں پڑھنے کے لیے آئے تھے ایسے ملنسار اور مخلص کہ دل ان کی شہادت پر خون کے آنسو روتا ہے اور یقین ہی نہیں آتا کہ ظالموں نے انھیں شہید کر دیا ہے۔صرف اس وجہ سے کہ وہ دین کے داعی تھے۔

ان کو شہادت کا رتبہ نصیب ہوا۔موت سے تو ہر شخص نے ہمکنار ہونا ہے،مگر شہادت کی موت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ یہ موت اصل میں زندگی ہے، وہ زندگی جس پر ہم جیسوں کی زندگی رشک کرتی ہے۔ وہ اللہ کے محبوب بندے تھے جن کو اللہ نے اپنے پاس جلد بلا لیا۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم

جنت کا باسی

ایک سال قبل ڈاکٹر محمد فاروق خان کے سفاکانہ قتل نے ہمیں شدید صدمہ سے دوچار کر دیا تھا۔ اس صدمہ سے ابھی سنبھل نہ پائے تھے کہ آج ایک اور صدمے کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ عزیز دوست ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کو ڈاکٹر فاروق خان ہی کی طرح ظالموں نے بے دردی سے گولی مار کر شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی شہادت سے چند گھنٹے پہلے میری ان سے طویل ملاقات ہوئی۔ کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔ برادر مکرم ڈاکٹر خالد ظہیر کے یاد کرانے پر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کے وہ الفاظ میرے دماغ میں گونج اٹھے جو ہم نے آخری مرتبہ ان سے سنے تھے۔ ایک مجلس احباب میں جہاں ڈاکٹر فاروق کی شہادت کا ذکر ہو رہا تھا ڈاکٹر حبیب الرحمٰن نے اپنے مخصوص شیریں لہجہ میں کہا: ''ڈاکٹر فاروق کو خدا تعالیٰ نے جلد بلا لیا کیونکہ وہ خدا کو محبوب تھے۔'' ان کے یہ الفاظ یاد آتے ہی میرے دل نے کہا: ''ڈاکٹر حبیب' آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے جلد بلا لیا کیونکہ آپ بھی اس کے محبوب تھے۔ اور اس بات کی گواہی خود آپ کا نام دے رہا ہے۔ آپ خدائے رحمان کے حبیب ہیں۔'' اور پھر مجھے ایک اور خیال آیا کہ یہ بے مثال شخص جس کا زہد اور تقویٰ' جرأت اور عزیمت' ہم سب کے لیے مشعل راہ رہی' یقیناً خدا کی اس جنت کا باسی بنے گا جو مقربین کے لیے مخصوص ہے:

صلۂ شہید کیا ہے۔ تب و تاب جاودانہ

ڈاکٹر حبیب سراپا اخلاص شخص تھے۔ وہ ڈاکٹر فاروق کی طرح کوئی لیڈر نہیں تھے۔ وہ ایک کارکن تھے 'راہ حق کے کارکن۔ ایک ایسے کارکن جن کو راہ حق عزیز از جان تھی۔ وہ جرأت مندی سے اس راہ پر چلے۔ جن لوگوں نے انھیں خاموش کر دیا ہے 'ان کو معلوم رہنا چاہیے کہ موت ان کے مشن میں حائل نہیں ہو سکتی۔ ان کے اور ان کی طرح کے لوگوں کے خون سے حق کی مشعل اور زیادہ بھڑکے گی اور دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔ الوداع ڈاکٹر حبیب! الوداع جنت کے باسی!

ریحان احمد یوسفی

محبوب کی محفل کو محبوب سجاتے ہیں

ڈاکٹر محمد فاروق خان کا زخم ابھی بھرنے بھی نہیں پایا تھا کہ ایک دوسرے زخم نے دل کی دنیا کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ صدمہ ایسا کہ کچھ لکھنے کا یارا ہے نہ قلم اٹھانے کا حوصلہ۔ خیالات نے دل ودماغ سے اور الفاظ نے خیالات سے بغاوت کر رکھی ہے۔ مگر اب ایمان کی تلوار سے ہر بغاوت کو کچل کر یہ لکھ رہا ہوں کہ راہِ عزیمت کے شاہسوار اور میدان دعوت کے مجاہد میرے عزیز دوست اور بھائی ڈاکٹر حبیب الرحمان تاجِ شہادت سر پر سجا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اگر آخرت کے عدلِ کامل پر یقین اور خدائے قدوس کی ذات پر ایمان نہ ہوتا تو میں شاید مرثیہ ہی لکھتا۔ مگر شہیدوں کا کیسا مرثیہ اور راہ حق کے مجاہدوں کا کیسا ماتم؟ کیا ان کا ماتم کیا جائے جو اس وقت خدائے ذوالجلال کی میزبانی کا لطف اٹھا رہے ہوں گے؟ کیا ان کا مرثیہ پڑھا جائے جو رب مہربان کی رحمتوں اور سایہ دار درختوں میں، بہتے دریا کی روانی اور جنت کی شادمانی میں، فرشتوں کے سلام اور فردوس بریں کے انعام میں ختم نہ ہونے والی زندگی شروع کر چکے ہیں؟ ایسے لوگ خود ہی پروردگار کی رحمتوں کے حق دار نہیں ہوتے بلکہ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بھی اس سراپا کرم ہستی سے جنت کی خوش خبری حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ خوش خبری اس بوڑھی ماں کے لیے بھی ہے جس نے ایسا قابلِ فخر سپوت جنم دیا اور اس کی بہترین تربیت کی کہ مرتے دم تک ان کا بیٹا بندوں کی خدمت اور رب کے دین کی نصرت کرتا رہا۔ یہ خوش خبری اس باوفا اور پارسا بیوی کے لیے بھی ہے جو ہر قدم پر اپنے شوہر کی مددگار رہی اور جس کے تعاون کے بغیر وہ اس راہ پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے تھے۔ یہ خوش خبری اس معصوم بیٹی کے لیے بھی ہے جس نے باپ کی شہادت سے چند دن قبل کتاب اللہ کو اپنے دل میں مکمل محفوظ کر لیا ہے۔ یہ خوش خبری ان معصوم بچوں کے لیے بھی ہے جنھیں بہت چھوٹی عمر میں یتیمی کا داغ دیکھنا پڑا ہے۔ یہ خوش خبری اس اکلوتے بھائی کے لیے بھی ہے جس کے تنہا وجود پر اپنے پورے کنبے کی ذمہ داری آپڑی ہے۔

حبیب الرحمٰن رب رحمٰن کی عنایتوں میں ابدی زندگی کا سفر شروع کر چکے ہیں۔ ہمارے پاس تو اب ان کچھ یادیں ہی بچی ہیں۔مگران یادوں میں بڑا حوصلہ اور بڑی زندگی ہے۔ان کی سب سے بڑی یادان کے لہجے کی مٹھاس اوران کی دلکش مسکراہٹ ہے۔ یہ مسکراہٹ ہر ملنے والے پران کا ایک یادگار نقش چھوڑ جاتی اور دوسروں کوان کا گرویدہ بنادیتی تھی۔مگران کے قریبی ساتھی جس بنا پران کے گرویدہ تھے وہ ان کا جذبہ ایثار وقربانی اور دوسروں کے دکھ درد میں شریک رہنے کا رویہ تھا۔کسی کا کوئی بھی مسئلہ ہو،انھیں صبح بلایا جائے یا رات میں، وہ ہروقت حاضر تھے۔ پیشہ ورانہ اور گھریلو ذمہ داریوں کا معاملہ ہوتو دوسری بات ہے ورنہ اپنے آرام،سہولت اورآسانی کی بنا پر کبھی ان کے منہ سے انکار نہیں سنا گیا۔وہ ہر مشکل اٹھا کر دوسروں کی مدد کوآتے تھے۔توحید سے ان کی بے پناہ محبت اورقرآن وحدیث سے گہرا لگاؤ توان کا ایسا وصف تھا جس کا ہر شخص گواہ تھا۔قرآن کریم پڑھ کرلوگوں کو سناناان کا شوق تھا اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ سے مزین ان کا درس دلوں کے تار چھیڑ دیتا تھا۔مقرر ایسے تھے کہ لوگ ان کے درس کے دوران میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ پاتے تھے۔

ان علمی مصروفیات، پیشہ ورانہ اور گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت نصرت دین کے لیے ان کی عملی جدوجہد تھی۔ مجھے تو پچھلے دو برسوں میں اس کا بہت زیادہ تجربہ ہوا۔لوگوں کے نفوس میں پاکیزگی،اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرے تعلق اور دین کے علم کی تعلیم وتدریس کی غرض سے قائم کی گئی تربیت گاہ کے بننے اور چلنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا اگر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن نہ ہوتے۔ان کی بے پناہ محنت اور مشقت نے جنگل وبیابان کوایک باغ کا روپ دے دیا۔ جہاں اللہ اوراس کے رسول سے محبت کرنے والے دن اور رات کے اوقات میں جاتے،اوراللہ رسول کی محبت اوراخلاق عالیہ کی تربیت سے اپنے نفوس کومعطر کرتے تھے۔

شہادت سے قبل کا پورادن اوررات بھی انھوں نے گھر کے بجائے دین کے لیے وقف کررکھا تھا۔رات بھر وہ اسی تربیت گاہ میں رہے۔رات میں گفتگو میری ذمہ داری ہوتی تھی۔ایک ساتھی نے منکرین حدیث کے موقف کا ذکر تو میں ایک حدیث کو لے کراس کا موقع محل سمجھانے لگا اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب دیتا رہا۔ڈاکٹر صاحب برابر پلنگ پر لیٹے ہوئے میری تائید کرتے رہے۔نماز فجر کے بعد گفتگوان کی ذمہ داری تھی۔وہ قریبی رفقا کے ساتھ گھنٹہ دو گھنٹہ اصلاحی اورتربیتی موضات پر گفتگو کرتے رہے۔ یہ ان کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ دن میں بھی وہ تدریسی ورکشاپ اورانتظامی میٹنگ میں شریک رہے۔میں اس آخری رات اوردن کے بیشتر وقت میں ان کے

ساتھ رہا۔اس آخری دن کی جو آخری جھلک میرے ذہن میں ہے وہ اس وقت کی ہے جب مجھے ملنے والے ایک اعزاز کے بعد وہ میرے گلے لگے۔ وہ جنت میں بھی مجھے ایسی ہی سرفرازی کی دعا دے رہے تھے۔اس لمحے ان کے چہرے پر ہمیشہ طاری رہنے والی مسکراہٹ کو میں نے خلاف عادت نظر بھر کے دیکھا۔تھوڑی دیر قبل وہ ڈاکٹر فاروق خاں صاحب کے ذکر پر کہہ چکے تھے کہ وہ اللہ کو بہت محبوب تھے اسی لیے اللہ نے ان کو بہت پہلے اپنے پاس بلا لیا۔ شاید میرے لاشعور میں یہ بات تھی کہ سیرت اور نام میں ''حبیب الرحمٰن'' تو وہ خود بھی ہیں۔ چند ہی گھنٹے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کے الفاظ کو سچ کر دکھایا۔ وہ واقعی حبیب الرحمٰن ثابت ہوئے۔ دو ظالموں نے ایک نہتے، بے گناہ طبیب کو جب وہ لوگوں میں شفا بانٹ رہا تھا،قتل کر ڈالا۔قاتل فرار ہو گئے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔اب قاتلوں کو چاہیے کہ وہ آسمان اور زمین سے بھی نکل بھاگیں یا پھر ایسے ہتھیار جمع کریں جن کے سہارے خدائے قہار سے لڑ سکیں۔ کیوں کہ قاتلوں کے بارے میں وہ اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں فیصلہ سنا چکے ہیں کہ جس کسی نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مارا اس کا بدلہ جہنم ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔اس پر اللہ کی لعنت ہے۔اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے،(نسا 4:93)۔ فلیضحکوا قلیلا و لیبکوا کثیراً*۔

رہے ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب تو ان کے بارے میں دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ واقعی حبیب الرحمٰن تھے۔اسی لیے رب رحمٰن نے اپنے بندے کے الفاظ کی لاج رکھی۔ وہ اللہ کو بہت محبوب تھے اسی لیے اللہ نے ان کو بہت پہلے اپنے پاس بلا لیا۔ڈاکٹر حبیب الرحمٰن زندگی بھر ان کے دین اسلام کے مجاہد رہے اور اب شہادت کا تاج سجائے دربار رب میں ہمیشہ کے لیے مقربین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں۔ ہمارے پاس ان کے بارے میں کہنے کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں:

محبوب کی محفل کو محبوب سجاتے ہیں

اشاریہ

عقیل احمد انجم

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۱۱ء

قرآنیات

جنوری	الانعام (۸)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۵
فروری	〃 (۹)	〃	〃	۷
مارچ	〃 (۱۰)	〃	〃	۱۱
اپریل	〃 (۱۱)	〃	〃	۶
مئی	〃 (۱۲)	〃	〃	۷
جون	الاعراف (۱)	〃	〃	۵
جولائی	〃 (۲)	〃	〃	۵
اگست	〃 (۳)	〃	〃	۵
ستمبر	〃 (۴)	〃	〃	۵
اکتوبر	〃 (۵)	〃	〃	۷
نومبر	〃 (۶)	〃	〃	۵
دسمبر	〃 (۷)	〃	〃	۷

معارف نبوی

دین و دانش

شذرات

نقطۂ نظر

سیر و سوانح

یسئلون

اصلاح و دعوت

اپریل	idiot box	ریحان احمد یوسفی	صفحہ	۵۶
″	گالی اور غصہ	محمد وسیم اختر مفتی	″	۶۱
جون	دل و دماغ	محمد وسیم اختر مفتی	″	۶۱
جولائی	احساس و نظر کی معراج	عقیل احمد انجم	″	۶۳
اگست	رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر	محمد وسیم اختر مفتی	″	۶۳
ستمبر	توکل اور صبر	عقیل احمد انجم	″	۶۳

ادبیات

جنوری	نظم: قربانت شوم	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۵۳
اگست	افسانہ: انسانیت کے دشمن	عقیل احمد انجم	″	۶۱

وفیات

دسمبر	ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کی شہادت	عقیل احمد انجم	صفحہ	۵۳
″	جنت کا باسی	ڈاکٹر شہزاد سلیم	″	۵۵
″	محبوب کی محفل کو محبوب سجاتے ہیں	ریحان احمد یوسفی	″	۵۶

اشاریہ

دسمبر	اشاریہ ''اشراق'' ۲۰۱۱ء	عقیل احمد انجم	صفحہ	۵۹